سید صاحب کی برکت سے ہم دونوں کام سیکھ گئے۔

اس بابرکت دینی دورے میں ان کے والد بزرگوار نے مولانا عبدالقیوم کو ہمراہ رکھ لیا تھا۔ مولانا اسماعیل شہید نے جب لکھنؤ میں اعلان فرمایا کہ کل ہم شیعوں کی عیدگاہ میں وعظ کہیں گے چنانچہ اس وعظ میں شیعی مذہب کی خوب دھجیاں اڑائیں اور حق ادا کر دیا شیعی علماء کو اپنی تقریروں سے لاجواب کر دیا بہرحال اس وعظ میں مولانا عبدالقیوم شاہ شہید کے پاؤں کے پاس بیٹھے تھے۔

(امیر الروایات صفحہ)

حضرت سید شہید نے اس دورہ مبارک کے اثرات بدعت کا ازالہ احکام شرعی کی تعمیل اور مشرکانہ رسوم کے خاتمہ کی صورت میں ظاہر ہوئے سفر حج سے پہلے دو ڈھائی سال کی مدت اصلاحی تبلیغی سرگرمیوں میں گذری جن میں خصوصیت سے طبقات امت میں اختلافات دور کرنا اور غیر شرعی رسوم و بدعت کو ختم کرنا رفقاء و مریدین کو فریضۂ جہاد کیلئے آمادہ کرنا تھا۔ اسی دور میں مولانا عبدالحی اور شاہ شہید کے قلم سے سید صاحب کے ارشادات کی تعلیمات صراط مستقیم کے نام سے ہوئی پھر مولانا عبدالحئی نے اسکو عربی میں

منتقل فرمایا (جماعت مجاہدین صہ۱۱۷)

اس مبارک دورے کے بعد سید شہید ایک زبردست قافلہ کے ساتھ توکل علی اللہ کے زاد راہ کو لیکر حج کیلئے روانہ ہوئے مولانا عبدالقیوم صاحب بھی ہمرکاب تھے شاہ شہید انکو اپنے ساتھ محبت کے ساتھ رکھتے۔ (امیر الروایات صہ۳۹)

بہرحال یہی وہ زمانہ ہے کہ مولانا عبدالقیوم نے ابتدائی تعلیم کے بعد تکمیل علوم کے لئے دامن طلب کو پھیلایا اور سراج الہند کے مسند نشین شیخ الآفاق شاہ محمد اسحٰق صاحب رح نے اپنی اولاد کی طرح تعلیم و تربیت فرمائی اور اپنی عالمہ فاضلہ صاحبزادی حضرت امۃ الغفور سے عقد کر کے حلقہ فرزندی میں لے لیا اور اس حق کو جو حضرت شاہ اسحٰق پر انکے پدر بزرگوار مولانا عبدالحیٔ کی تعلیم کی بنا پر واجب تھا۔

مولانا عبدالقیوم فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ اسحٰق صاحب میرے والد سے کافیہ پڑھتے تھے پھر حضرت میاں صاحب (شاہ عبدالعزیز) نے شاہ عبدالقادر کو انکے سبق کیلئے مقرر فرمایا اور جملہ علوم و معقول و منقول کو پایۂ تکمیل پہونچایا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب روزانہ ایک رکوع قرآن شریف کا

صبح کسی ایک تفسیر کیساتھ سماعت فرماتے جسکی قرأت شیخ
الآفاق کرتے بعد ظہر مقامات ہندی کا صحن مدرسہ میں چہل قدمی کرتے
ہوئے شاہ صاحب سبق دیتے جس میں مولانا عبدالحی اور مولوی
رشید الدین خاں وغیرہ سامع رہتے غرض شاہ اسحٰق کو بتیس برس
تک اپنی نگرانی میں تدریسی فرائض کو انجام دلایا خود شاہ صاحب فرماتے
تھے کہ اگر معصومیت کا اطلاق پیغمبروں کے سوا کسی اور پر جائز ہوتا
تو اس وقت میں اسحٰق پر ہوتا اتباع سنت خصہ انکا شعار اور فنافی الرسول
انکا مقام تھا چہرۂ انور سے آثار صحابیت کے ظاہر ہوتے۔

غرض شاہ عبدالعزیز صاحب کا سرچشمہ فیض حضرت شاہ اسحٰق سے جاری
ہوا مولانا عبدالقیوم نے اپنے خسرہ شاہ اسحٰق کی زیر نگرانی صرف ونحو
عقائد ومنطق کی تعلیم نصیر الدین شافعی دہلوی نواسہ شاہ رفیع الدین
سے اور بعض درسی کتب مولانا نصیر الدین لکھنوی سے حاصل
کی تفسیر جلالین ابن ماجہ ونسائی وعلم وفرائض شاہ یعقوب دہلوی
سے تکمیل فرمائی اور اکثر صحاح مولوی سید محبوب علی دہلوی شاگرد
شاہ عبدالعزیز صاحب سے پڑھی ہدایہ کا کچھ حصہ مفتی سید مراد
سے پڑھا اور باقی فقہ بخاری شریف کچھ بیضاوی شریف معالم التنزیل

مدارک در منثور صحاح ستہ القول الجمیل حزب البحر حصن حصین مستدرک حاکم دار قطنی دارمی سب کچھ شیخ الآفاق سے پڑھا اور عام اجازت بہمہ وجوہ بسلسلہ اسناد اور خرقۂ خلافت حسب ضابطۂ مشائخ شاہ اسحٰق کی طرف سے شرف اندوز ہوئے اور مولانا شاہ یعقوب برادر خورد حضرت شاہ محمد اسحٰق سے بھی آپکو چاروں طریقوں میں بیعت اور اذکار و اشغال کی اجازت حاصل تھی۔

(مقالات طریقت صـ ۲۴۳)

حضرت سراج الہند کا جو کچھ فیضان جاری ہوا وہ الہٰی دو چشموں سے نواب صدیق الحسن خاں نے شاہ ولی اللہ صاحب کی پیشین گوئی درج کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرزند مجھے عطا کئے ہیں وہ سب سعید ہیں ان سے ملکیت کی ایک قسم کا ظہور ہوگا تدبیر غیب کا تقاضا یہ ہے کہ دو اور شخص پیدا ہونگے جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں علوم دین کے احیاء کا انتظام کریں گے انکا نسب والدہ کے ذریعہ ہمارے ساتھ وابستہ ہوگا۔

(التحاف النبلاء صـ ۴۳۰)

حضرت شاہ یعقوب ولادت سنہ ۱۲۰۰ نے شرح ملا جامی کے تین سبق اور تفسیر جلالین چہل قدمی کے وقت حضرت سراج الہند

سے پڑھی اور اکثر علوم شاہ رفیع الدین سے حاصل کئے وہ علم و فضل قناعت و استغناء میں یگانۂ روزگار تھے۔ انھوں نے بھی اپنے برادر بزرگوار شاہ اسحٰق کے ہمراہ ہجرت کی اور مکہ معظمہ میں ۱۲۷۳ھ میں وفات پائی۔ حافظ محمد سورتی مہتمم مساجد بھوپال نے تاریخ الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولا ہم یحزنون سے تخریج کی (مقالات طریقت ص ۲۴۹)

غرض مولانا شاہ عبدالقیوم ان دونوں بزرگوں کے سچے جانشین بنے اور نہایت کم عمری میں اپنے ہم عصر علماء سے گوئے سبقت لے گئے۔

مجاہدانہ زندگی

مولانا عبدالقیوم نے جب تعلیمی زندگی سے فارغ ہو کر عملی زندگی میں قدم رکھنے کا ارادہ کیا تو یہ وہ عہد تھا کہ اٹھارویں صدی عیسوی کی شام ہو چکی تھی مغل سلطنت کا آفتاب ڈوب رہا تھا لال قلعہ کا اجالا ہندوستانی اقتدار کے خاتمہ کی خونی شفق کا عکس بنکر جھلملا رہا تھا۔

شمالی مغربی علاقہ میں سکھ شاہی انگریزی اقتدار سے صلح و سمجھوتہ کے لئے ہاتھ بڑھا رہی تھی اور جنوب ہند میں مرہٹہ طاقت باہم دست و گریباں ہو کر فرنگی سامراج کے لئے راہیں ہموار کر رہی تھی۔

انگریزی شوتپیسی کا شاہکار وہ نعرہ تھا جس کا ڈھنڈھورا پیٹا جارہا تھا۔ خلق خدا کی ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا اس دلفریب نعرہ نے شام غلامی کی بڑھتی ہوئی سیاہی کے احساس کو نگاہوں سے اوجھل کردیا تھا جو آہستہ آہستہ مشرق سے مغرب کی طرف بڑھتی چلی آرہی تھی احکام اسلامی کے اعتبار سے ایک پیچیدہ سوال کھڑا ہوگیا تھا کہ اس حالت کو آزادی کہا جائے یا غلامی سے اس کی تعبیر کی جائے۔

یعنی اب ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام اس نازک موقع پر ولی اللہی حکمت کے شارح اور عملی مفکر شاہ عبدالعزیز نے جو تاریخی فیصلہ کیا تھا وہ مستقبل کے مورخ کے لیے مشعل ہدایت رہیگا شاہ صاحب نے نصاریٰ کے بے دغدغہ غلبہ اور ملک پر بے روک ٹوک ان کے احکام کے نفاذ کی بنا پر ہندوستان کے دارالکفر ہونیکا صاف اور صریح فتوٰی صادر فرمادیا۔

(فتاوی عزیزی صـ ۱۱۷ ج ۱)

شاہ صاحب کے اس فیصلے سے حکومت مسلطہ انگلشیہ سے ٹکراؤ ایک مذہبی فریضہ کی حیثیت سے مسلمانان ہند پر عائد

ہو گیا حضرت سید شہید کا ترک وطن اور آزاد علاقہ سرحد میں اسلامی
حکومت کا قیام ایک انقلابی اقدام تھا۔ جو اگر ملت اسلامیہ کے افتراق
انگیز ماحول سے محفوظ ہو کر کامیاب ہو جاتا تو ایشیا کی تاریخ بدلی
ہوئی نظر آتی بہرحال تاریخ اسلامی ہند کی یہ روشن کرامت ہے
کہ ٹھیک اس وقت جب کہ حلقہ اعداء نے اسلام کے خاتمہ کا
منصوبہ تیار کیا جا رہا تھا اور شرک و کفر کے تیز و تند جھونکوں
سے چراغ مصطفوی کو بجھانے کی کوشش کی جا رہی تھی خدا کی
قدرت کاملہ نے بارہ سو ۱۲۰۰ سالہ دین حق کا سچا عملی نظام کفرستان
ہند کے ایک خطہ میں قائم کر کے دکھا دیا حضرت سید شہید کی یہ
دینی دعوت آخری دور میں خدا کے قدرت کی فشانی اور خلافت
الٰہی کیلئے ایک حجت بالغہ تھی ہندوستان کی معلوم تاریخ میں نہ
تو اس قدر موثر دعوت اصلاح و جہاد کہیں برپا ہوئی اور نہ
اتنی جلد اسکی کامیاب عملی تشکیل ہو سکی ونسانیت کی شمع روشن
کرنے والے اور دین قیم کی اقامت کے لئے سچا جہاد کرنے
والے نہ کبھی ہندوستان نے دیکھے اور نہ اس سرزمین پر ایسے
مردان حق کا چشم فلک نے کبھی نظارہ کیا دین میں خدا کی راہ میں

گھوڑوں میں سوار اور راتوں میں اپنے مالک کی حضور مصلی پر سوار عبد و معبود کے درمیان رشتہ جوڑنے والے کامل مکمل انسان نہ دن میں چین نہ رات میں آرام شبانہ روز بس ایک پیغام اور ایک ہی کام کہ ظالم و مظلوم حاکم و محکوم کے درمیان انصاف کرا کے سب کو حاکم حقیقی کے دربار میں لاکر کھڑا کر دیا جائے اور خدا کی پاک زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کی جائے یہ ہے وہ دعوت جس کو اپنوں اور بیگانوں نے طرح طرح کی رنگ آمیزیوں کے ساتھ بھیانک شکل میں پیش کیا ہے ان داعیوں کے سرخیل مولانا عبدالحئی والد بزرگوار مولانا عبدالقیوم اور شاہ اسماعیل شہید تھے جب سید صاحب نے سفر ہجرت اس مقصد کیلئے اختیار فرمایا۔

تو شاہ شہید کو میر عسکر بنایا مولانا عبدالحئی کو اس وقت مصلحتہً یہیں چھوڑ دیا گیا اور ان کے بلند اقبال صاحبزادہ مولانا عبدالقیوم کو حضرت نے ساتھ لے لیا۔

چنانچہ مولانا عبدالقیوم کا ذکر چار باغ اور گلی باغ کے سفر میں آتا ہے کہ حضرت سید صاحب کو کسی جگہ مدعو کیا گیا تو حضرت مشغولیت

کی ہتاد پر نہ جا سکے لیکن سید صاحب نے مولانا عبد القیوم اور اپنے بھانجہ حمید الدین اور شیخ جلال الدین مولانا عبد الحیٔ کے چچا زاد بھائی کو بھیجدیا جب مقام چار باغ مجاہدین کا قافلہ پہونچا تو مولانا عبد الحیٔ کی تشریف آوری کی خبر ملی سید صاحب نے اپنی سواری بھیجی اور پھر خود کنارہ دریا تک استقبال کیلئے تشریف لے گئے اور معانقہ فرمایا ابتداء مرکز جہاد ہوند پھر پنجتار اور آخر میں استھانہ بنا۔

یہ روحانی زندگی کا عجیب و غریب کرشمہ تھا کہ سید صاحب کے مریدین جو ذکر اللہ تسبیح و تہلیل اور تلاوت کلام پاک الٰہی کی ریاضتوں سے باطنی تسکین میں لگے رہتے تھے اب مجاہدانہ کاروبار تلواروں کی صیقل گری بندوقوں کی صفائی گھوڑوں کی ورزش تیاری میں اسی ذوق و شوق سے مصروف تھے۔ ایک مرتبہ شاہ شہید نے پہلے زمانے کے مشاغل کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہم پر بھی ایک زمانہ گذرا ہے کہ ہر ایک اللہ جل جلالہ کے ذکر میں مدہوش تھا یہاں تک کہ کسی کو کھانے پینے اور پہننے تک کا خیال نہ رہتا تھا اور نہ کسی شغل میں لذت محسوس ہوتی تھی سید صاحب نے

سنکر فرمایا کہ وہ منزل پیچھے رہ گئی اس وقت لطف الٰہی نے ہمیں اس جانب متوجہ کر رکھا تھا۔

یہ حالت تھی کہ جو شخص سامنے آکر بیٹھتا مراتب باطنی آناً فاناً ترقی کرتا اور جو کیفیت دوسرے مقامات پر برسوں میں پیدا ہوتی ہمارے حلقوں میں گھڑیوں میں پیدا ہو جاتی اس کے بعد ہم پر وعظ و نصیحت کے دروازے کھل گئے سلسلہ تبلیغ بھی اعلیٰ مراتب پر پہونچا اور یہ حقیقت موافق و مخالف سب پر روشن ہے کہ اب ہمیں کفار کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا ہے جو باطنی ترقی کا دوسرا پایہ ہے۔ یہ انبیاء اولوالعزم کا طریقہ اور ان کا اسوہ ہے والحمد للہ علی ذالک (منظور السعداء بحوالہ سید احمد شہید ص ۱۳۲)

مولانا عبد القیوم کے والد بزرگوار جب مقام کھیر میں ٹھہرے ہوئے تھے تو پرانے مرض بواسیر کا شدید دورہ ہوا سید شہید روزانہ عیادت فرماتے ایک روز جب آئے تو مولانا نے آنکھیں کھولی اور سید صاحب کو پہچان لیا حضرت مزاج پوچھا تو فرمایا کہ نہایت تکلیف ہے۔ میرے لئے دعا فرمائیں اور میرے سینہ پر پاؤں رکھ دیں شاید اس کی برکت سے میری مشکل آسان ہو جائے سید صاحب نے

فرمایا مولانا آپکا سینہ کتاب وسنت کا گنجینہ ہے پھر پاس بیٹھکر سینہ پر ہاتھ رکھا جس سے کچھ تسکین ہوئی پھر چند بار "اللھم الحقنی بالرفیق الاعلیٰ" کہا اور آپ کی روح جسد عنصر کو چھوڑ کر مالک حقیقی کے دربار میں حاضر ہو گئی (وقائع ص ۵۲۵) بحوالہ مجاہدین صفحہ ۱۱۵

مولانا یوسف پھلتی لشکر قطب اسلام کے سانحہ کے بعد یہ دوسرا غم انگیز سانحہ تھا اس موقع پر حضرت سید صاحب نے ان کے اکلوتے فرزند مولانا عبد القیوم کو فرط شفقت سے سینہ سے لگایا اور تسلی دی۔ مولانا کی عمر اس وقت تیرہ چودہ سال کی ہوگی۔ آج کل یہ مزار ڈھی باباکا مزار کہلاتا ہے (جماعت مجاہدین ص ۱۱۵)

مولانا عبد الحی نے ایک وصیت نامہ اپنی اہلیہ محترمہ والدہ مولانا عبد القیوم کے نام جملہ اشیاء کے بارے میں لکھدیا تھا مولانا کے دو ماموں شیخ جلال الدین اور صلاح الدین بھی لشکر اسلام میں تھے شیخ جلال الدین نے مولانا عبد القیوم کو وطن پہونچا دینے کی استدعا وخواہش کی لیکن جب سید صاحب کی منشاء کا علم ہوا تو اس قصہ کو ملتوی کر دیا۔ مولانا عبد القیوم کی روانگی عمل میں نہیں آئی جیسا کہ مولانا مہر نے باور کیا ہے۔

(جماعت مجاہدین صفحہ ۲۱۳)

حضرت سید صاحب اس سانحہ کے بعد مولانا عبد القیوم کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے اور ہر طرح دلجوئی و دلداری فرماتے تھے اور مولانا اس اکرام و شفقت کے مستحق بھی تھے چونکہ ان کے والد ماجد اور جد امجد سید صاحب کے ساتھ آخر وقت تک شریک رہے۔

اس خصوصی امتیاز کی وجہ سے مولانا عبد القیوم کو مہتمم مطبخ مقرر فرمایا گیا۔ چونکہ اس سے پہلے حضرت سید شہید کے ساتھ زہر خورانی کا واقعہ پیش آچکا تھا۔ جب سید صاحب نے آخری سفر شہادت گاہ بالاکوٹ کا فرمایا تو مولانا مرحوم کو خواتین کے ساتھ راستہ ہی سے واپس کر دیا حقیقتہ معرکہ بالاکوٹ تاریخ اسلامی ہند کا وہ نشان منزل ہے جہاں خون شہداء کی سرخی سے ہندوستان کی قسمت تحریر کی گئی جس نے اس مردہ زمین پر ایک نئی زندگی بخشی یہی وہ دعوت ہے جس نے قرون اولیٰ کی زندگی کا نقشہ ہندوستان کی سرزمین میں قائم کر کے دکھا دیا۔

وہ آفتاب رشد و ہدایت جس نے نصف صدی کفرستان

ہند کو اپنی ایمانی روشنیوں سے منور کیا تھا اپنوں کی بے وفائی اور خوانین کی غداری سے بالاکوٹ کی وادی میں چوبیس ۲۴ ذی قعدہ ۱۸۳۱ء مطابق ۱۲۴۶ھ میں ڈوب گیا۔ جس کا خمیازہ ایک صدی تک پٹھانوں کو فرنگی سامراج کے ہاتھوں ہمارے خیال میں بھگتنا پڑا۔

واقعہ شہادت کے بعد مولانا عبدالقیوم سید شہید کی اہلیہ محترمہ اور متعلقین کے ساتھ ٹونک واپس ہوئے اور نواب وزیر الدولہ نے ایک مستقل محلہ ہی قافلہ کے نام سے مجاہدین کے لئے آباد کیا مولانا کچھ دن ٹونک ٹھہر کر حجاز مقدس روانہ ہوئے یہاں شاہ اسحٰق صاحب اور سید شہید کے جلیل القدر خلیفہ اخوان عبدالعزیز سے ظاہری و باطنی تکمیل فرمائی۔

حضرت شاہ یعقوب صاحب سے بھی فیضیاب ہوکر ہندوستان واپس ہوئے اور حضرت خواجہ باقی باللہ شاہ ولی اللہ اور خواجہ معین الدین چشتی کے مزارات پر دہلی و اجمیر میں اذکار و اشغال میں مشغول رہے۔ مولانا عبدالقیوم خلافت حضرت سید شہید سے بھی حاصل تھی حضرت نے ایک بار اپنی کلاہ مبارک بھی پہنائی اور بہت کچھ دعا کی اور ان کے پیچھے جماعت کیڑھ کے

ساتھ نماز بھی پڑھی ایسے ہی حضرت شاہ شہید صاحب کی رفاقت سے بھی استفادہ رہا۔ (فضائل عزیزیہ صہ ۲۴۲)

بھوپال تشریف آوری

حضرت مولانا عبدالقیوم جب حجاز مقدس سے واپسی ہوئی، تو سرزمین بھوپال کو ۱۲۶۰ھ میں آپکی قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ نواب سکندر جہاں بیگم آپکی نسبت خاندانی اور کمالات ذاتی کی وجہ سے حسب مشورہ مدارالمہام بھوپال کے قیام کی دعوت دی اور عہدہ افتاء کی پیش کش کی۔

والی بھوپال کا مکہ معظمہ سے مولانا کا بھوپال لیکر آنا جیسا کہ مولانا مہر نے لکھا ہے (جماعت مجاہدین صہ ۲۹۲) یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہونچی صحیح یہی ہے جو یہاں درج کیا گیا۔ مولانا نے ہر چند انکار کیا کہ میں اسکا اہل نہیں مگر بیگم صاحبہ انکی ذات گرامی سے ریاست کے اس عہدہ کو عزت دینا چاہتی تھیں کیونکہ یہ عہدہ عرصے سے خالی چلا آرہا تھا نواب جہانگیر محمد خاں اور قدسیہ بیگم کی باہمی کشمکش سے پرانا قاضیوں اور مفتیوں کا نظام ختم ہو چکا تھا۔ قدسیہ بیگم نے صاف صاف کہدیا تھا میں

اپنا قاضی مفتی ریاست کو نہ دونگی تم اپنا خود انتظام کرو اسلئے نواب صاحب نے عہدہ قضاء کے لئے دہلی سے قاضی شریف حسین رح کو بلایا جو قضاء وافتاء کے ہر دو فرائض انجام دیتے تھے اس اثناء میں مولانا کی تشریف آوری ہوئی اور مدار المہام صاحب کے بیحد اصرار پر اس عہدہ کو بادل نخواستہ قبول فرمایا ہر دو بزرگ (قاضی سید شریف حسین اور مولانا عبدالقیوم) نے باہمی اتفاق واتحاد سے امور شرعیہ سرانجام دیتے رہے۔ البتہ مولانا کے مزاج میں گرمی تھی وہ برسوں مجاہدانہ معرکہ آرائیوں میں رہنے کی وجہ سے تیزی وحدت طبع کا پیدا ہونا قدرتی تھا۔ اس لئے بعض اوقات اگر کچھ اختلاف پیدا بھی ہوجاتا تو قاضی صاحب اپنی نرم مزاجی وصلح جوئی اور مولانا کے خاندانی احترام میں اسکو رفع دفع فرمادیتے تھے حضرت مولانا تقدس مذہبی اور دینی پختگی میں خدا کی ایک نشانی تھے ایک بار سکندر بیگم آپکی اہلیہ محترمہ حضرت امۃ الغفور دختر شاہ اسحٰق دہلوی سے ملاقات کے لئے مولانا سے استدعا کی کہ محل میں انکو بھیج دیا جائے۔ آپنے انکار فرمایا۔ اس پر کہلا بھیجا کہ میں خود ان سے ملاقات کے لئے گھر آنا چاہتی ہوں تو فرمایا کہ چونکہ آپ پردہ

نہیں کرتی اسلئے میں اجازت نہیں دے سکتا برقعہ اوڑھکر آئیں تو ملاقات کرسکتی ہیں۔

(جماعت مجاہدین ص ۲۹۴)

کچھ عرصہ تک مولانا فرائض افتاء کو انجام دیتے رہے پھر ریاستی مصالح کی خاطر انکو سبکدوش کردیا گیا۔ جسکی حکایت مشہور و معروف ہے میرے والد سید صابر علی مرحوم نے فرمایا کہ ایک بار رزیڈنٹ بہادر نے عید کی نماز دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اس کی اطلاع سرکاری مولانا عبدالقیوم رح کو دی گئی جو عیدین کی نماز کے امامت فرماتے تھے مولانا عیدگاہ پہونچے جب نماز کا مقررہ وقت آیا۔ تو نماز کیلئے کھڑے ہونے لگے۔ اطلاع دی گئی کہ رزیڈنٹ بہادر ابھی عیدگاہ نہیں آسکے ہیں اسلئے تھوڑا سا انتظار فرمایا جائے مولانا نے حق پسندانہ انداز و پرجلال آواز میں فرمایا جسکو خدا کی نماز پڑھنا ہو وہ ہمارے ساتھ نماز ادا کرے اور جسکو سکندر بیگم کی نماز پڑھنا ہو وہ انتظار کرے۔ یہ فرماکے نماز شروع کردی اور ایک لمحہ زحمت انتظار نہ کھینچی آپکی حق پرستی کا غلغلہ شہر میں پھیل گیا جب اس کی اطلاع بیگم صاحب پہونچی تو انہوں نے آپ سے

دریافت کیا حضرت مولانا نے بے کم و کاست واقعہ کو بیان فرمایا
اور کہا میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اس منصب کا اہل نہیں
لیکن اصل اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دور تھا رسوائے زمانہ
سرلیپل گریفن جس نے معرکہ کابل میں شہرت حاصل کی تھی
وہ ریاست کے اندرونی حالات کے کھوج میں لگا رہتا تھا مولانا
عبدالقیوم کی زندگی ایک کھلی کتاب تھی آپ کی حضرت سید شہید
کے ساتھ معیت اور جہاد کی شرکت کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھی
اس لئے ہمارے نزدیک بیگم صاحبہ کا اس عہدہ سے سبکدوش کردینا
سیاسی مصلحت پر مبنی تھا لیکن مولانا کے اعزاز و احترام میں
کوئی فرق نہیں آنے دیا اور جاگیرات سے نوازا گیا نواب شاہجہاں بیگم
کا پہلا نکاح ۱۲۷۱ھ میں امراؤ دولہا سے ہوا تو مولانا سے ہی خطبہ
نکاح پڑھوایا گیا اور حسب دستور ریاست ایک موضع جاگیر
میں دیا گیا وہ خود لکھتی ہیں کہ ۱۱ ذی قعدہ ۱۲۷۱ھ کو مولوی عبدالقیوم
صاحب نے جو ایک جلیل القدر اور درویش صفت عالم تھے
خطبہ نکاح پڑھا دونوں جانب سے دھوم دھام کی دعوتیں ہوئیں
(حیات شاہجہانی ص)

بھوپال مرکز حدیث

مولانا عبدالقیوم کی اقامت فرمائی کی بدولت وسط ہند میں ازخود ولی اللٰہی درسگاہ قائم ہوگئی اور مولانا کی ذات والاصفات سرچشمہ ہدایت بن گئی۔ ہزارہا طالبان علم دین اور سالکان راہ یقین اس چشمہ صافی سے سیراب ہونے کے لئے دور دراز علاقوں سے بھوپال کی طرف رخ کرنے لگے حضرت شاہ اسحٰق رح کی خصوصی نسبت اور سند عالی کے حصول کے لئے ہند و سندھ بلخ و بخارا تک کے طلبہ و علماء آپکی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے اور حضرت مولانا اپنے علوم وفیوض سے مستفید فرماتے قران و حدیث کے علاوہ اور علوم سے سروکار نہ رکھتے خواص کے ساتھ عوام کے لئے بھی آپکا سرچشمۂ فیض جاری تھا۔ ولی اللٰہی روایت کے مطابق منگل و جمعرات کے دن قرآن حکیم کا ترجمہ و تفسیر مسجد حقیقت خاں و مسجد امراؤ دولہا میں عام مخلوق کے لئے بیان فرماتے تھے آخر آخر میں سوائے ترجمہ قران و حدیث پاک آپکی مجلس میں کچھ مذکور نہ ہوتا تھا مولانا کے حلقہ درس میں بیشمار فضلا ونکل کر افق ہند پر چمکے۔

اور ریاست بھوپال کی علمی شہرت و نیکنامی کے باعث ہوئے مولانا قاضی محمد ایوب پھلتی جو قاضی ریاست ہوئے مولوی محمد احسن مترجم در مختار مولوی بدیع الزماں و مسیح الزماں اور مولوی وحید الزماں حیدر آبادی مترجم صحاح ستہ و شرح وقایہ مولانا گل محمد پشاوری حکیم نور الدین جو اپنی بد قسمتی طبع کی بنا پر بھٹک کر قادیانی اور خلیفۃ المسیح ہوئے مولانا عبد الجبار ناگپوری ثم البوفالی ثم المکی مولانا ذوالفقار احمد صاحب بھوپالی اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری ۱۲۹۳ھ میں حبر الامہ کاشف الامہ مولانا عبد القیوم سے بھوپال حاضر ہو کر حدیث کی تکمیل اور سند حاصل کی (بذل المجہود ج ۱ ص ۲)

درس و تدریس ہی آپکی زندگی کا عنوان تھا البتہ ملا علی قاری کی اربعین کا اردو ترجمہ ۱۲۷۲ھ میں اور شاہ اسحٰق صاحب کی اربعین کی تکمیل فرمائی۔ (الطاف النبلا ص ۱۱)

حضرت مولانا فراست ایمانی سے بہرہ ور اور خصوصیت کے ساتھ تعبیر خواب کے امام تھے جو بھی خواب کی تعبیر فرماتے بعینہٖ وہی واقعہ عالم ظہور میں آتا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ واقعہ کو بچشم خود دیکھ کر بتا رہے ہیں۔ بقول مولانا عبد الحئی یہ بات انہی پاکیزہ

نفوس کو منجانب اللہ میسر آتی ہے جنکا آئینہ روح ہر طرح کی پست خواہشات اور گری ہوئی شہوات سے پاک صاف ہو حضرت کی کرامات خوارق عادات مشہور خواص وعام ہیں ۔ (نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۲۹۸)
خلاصہ یہ کہ مولانا مرحوم علم وحلم تواضع وانکسار خندہ روئی حق گوئی وراستبازی میں اپنے اسلاف کے قدم بقدم تھے وہ دہی اللٰہی خاندان کی آخری نشانی تھے جنکے عقیدہ وعمل میں کبھی حالات زمانہ نے لچک پیدا کی نہ ان کا سر بلند کسی آستانہ پر جھک سکا ۔ ایمان واستقامت کے کوہ گراں اور افادہ وفیضان کے بحر بیکراں تھے ۔

سفر آخرت کی تفصیل

مولانا اپنے اعزاء واقرباء کی حقوق کے ادائیگی کے لئے دو چار سال میں وطن مالوف بڑھانہ تشریف لیجاتے تھے نواب محمد علی والی ٹونک جنکو برطانوی سامراج کے سیاسی مصالح نے معزول کر کے بنارس میں نظر بند کر رکھا تھا نواب وزیرالدولہ کا پورا خاندان ولی اللٰہی خانوادہ کا ہمیشہ سے معتقد تھا چنانچہ نواب محمد علی نے ازراہ عقیدت مولانا سے استدعاء کی کہ بنارس تشریف لاکر دورۂ بخاری کی تکمیل کرائیں نواب مرحوم کا مشغلہ اس زمانہ میں علمی ودینی رہ گیا تھا چنانچہ انہوں نے ہی شیخ

نورالحق خلف شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تیسیر القاری شرح بخاری کو فارسی جلدوں میں طبع کرایا تھا۔ (نظام تعلیم و تربیت ج ۲ ص ۱۶)

چنانچہ مولانا بھوپال سے بنارس پہونچے کچھ عرصہ وہاں قیام کرکے بڑھانہ روانہ ہوئے وہاں پہونچکر سواری سے گرے بظاہر معمولی چوٹ آئی لیکن یہی صدمۂ اندرونی بالآخر مرض الموت بنا تاآنکہ بھوپال میں ۱۲۹۹ھ سنہ ۱۸۸۲ء کا سال عام الحزن رہا اور بھوپال سرکار قدسیہ نے اسی سال سفر آخرت اختیار کیا اور اسی سال بھوپال کے علم و فضل کے عربی منشی جمال الدین مرحوم مدارالمہام نے اس دنیائے فانی کو الوداع کہا اور یہی وہ غم کا سال ہے جسکے اندر مولانا شاہ عبدالقیوم صاحب کے ظاہری باطنی فیوض سے یہ خطہ محروم ہوگیا علم و عمل کی وہ روشنیاں جن سے یہ تیرہ و تاریک علاقہ درخشاں ہوا تھا بجھ کر رہ گئیں حضرت مولانا کے بارے میں۔

گلہائے عقیدت

نواب صدیق حسن خاں تحریر فرماتے ہیں اسی جگہ (بھوپال) میں مولوی عبدالقیوم فرزند مولوی عبدالحئی سے بھی ملاقات ہوئی ان کے باپ اور میرے باپ ایک ہی شیخ یعنی سید احمد بریلوی سے ارادتمند تھے

رسالہ دررِ بہیہ تعریف شوکانی سب سے پہلے ہند میں مع فوائد مجموعہ سفرِ حج میں انہی کے والد مرحوم مولوی عبدالحیُ لائے تھے۔ اور انہوں نے بذریعہ تحریر شوکانی سند واجازتِ روایت علومِ شرعیہ کی بھی حاصل کی تھی۔ یہ بات مولوی عبداللہ خاں علوی شاگرد مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی اور استاد مولوی امام بخش سہوانی نے اپنے رسالہ المنہج السدید فی رد التقلید میں چشم دید لکھا ہے مولوی عبدالقیوم داماد مولوی اسحٰق مہاجر مکہ معظمہ تھے کتب حدیث اور ترجمہ موضح قرآن پڑھتے پڑھاتے رہے طریقہ پر اپنے بزرگوں کے تھے ۱۲۹۹ھ میں انتقال وطن جاکر ہوگیا۔ میں نے ان کو خواب میں دیکھ کر انجام حال کا سوال کیا تو مجھ سے کہا ویسا حال نہیں دیکھا جیسا کہ ہم سنتے تھے۔ (ابقاء المنن صفحہ ۴۸، ۴۷) مولانا مرحوم کے شاگرد بھوپال کے مشہور مصنف مولانا ذوالفقار احمد لکھتے ہیں کہ مولانا عبدالقیوم خلف الصدق مولانا عبدالحی مع اپنے اہل وعیال کے بھوپال میں مقیم رہے ایک مدت تک عہدہ افتاء کو زینت بخشی بعد کو علم تفسیر وحدیث اور فقہ کی تدریس وتعلیم سے بھوپال کو معمور کیا حالی موالی رئیس و مرؤس سب ان کے صلاح وعلم وفضل

مولوی یوسف ولد اکبر موجود ہیں مگر ایک مدت سے مرض سخت میں گرفتار ہیں یہ بھی مثل اپنے والد مرحوم درس حدیث شریف میں مشغول رہتے تہایت صالح ہیں (الروض المحطور صہ ۲۴)

اب ہم مولانا مرحوم کی ایک یادگار تحریر پر اس داستان شیریں کو ختم کرتے ہیں جو خوش قسمتی سے ہمکو ملی وہ یہ ہے۔

مکرمہ ۔ وما احل بہ لغیر اللہ نزد عاجز واکثر علماء بلاشبہہ حرام است ذبیحہ بلا خلاف حرام اگر کسے را اختلاف است در غیر ذبیحہ است نہ در ذبیحہ دریں مادہ یک رسالہ زبدۃ النصائح از تصنیف مولوی تراب علی صاحب لکھنوی کہ مواہیر علماء دہلی مثل مفتی صدر الدین صاحب وغیرہ مطبوع شدہ از اں وضاحت مسئلہ طلب دارند کہ ہمہ اقوال مختلف وغیر مختلف علماء متقدمین ومتاخرین دراں مندرج اند وباقی توضیح وتنقیح معنی ایت شریفہ اونچہ در تفسیر عزیزی مرقوم است در دگرے کتب کمیاب ازاں تشفی خاطر خود خواہند ساخت کہ دقیقہ از دقائق دراں فرو گذاشت نہ گردیدہ واضح سامی باد والسلام)

۵ رمضان المبارک ۱۲۷۱ھ

کے قائل و معتقد تھے خوش اخلاق و خوش وضع بے تکلف حسن المحاضرہ تھے تمام دن حدیث شریف کے درس میں گذرتا ذکر و فکر کا شغل رہتا ستر حال کو پسند کرتے تھے وفات سے کئی ماہ پہلے خاکسار نے ترجمہ موضح القرآن ان پر پڑھا اور آٹھ دس پارے تفسیر جلالین کے سنائے سند عطا فرمائی جو خاکسار کے پاس موجود ہے۔ اور بیعت سے بھی مشرف فرمایا بعدہٗ وطن کا قصد فرمایا۔ بھوپال سے روانہ ہو کر بنارس پہونچے وہاں کچھ اقامت فرما کر وطن روانہ ہوئے سندیلہ تک پہونچے ارادہ تھا کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن رح کی زیارت سے مشرف ہوں مگر بواسیر کی شدت ہوئی پہونچ نہ سکے سیدھے وطن پہونچے مرض میں زیادتی ہوئی آخر کو ۱۲۹۹ھ میں انتقال ہوا اپنے وطن میں مدفون ہوئے اور یہی انکی خواہش دلی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی تمنا پوری کی چونکہ آپکو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت قلبی تھی اور اکثر اتباع نبوی مرکوز خاطر عاطر رہتی تھی اسلئے عجیب حسن اتفاق ہوا کہ سال وفات میں دو بار قرآن شریف کا دور فرمایا آپکے انتقال کے بعد ہی صاحبزادی صاحبہ کا انتقال ہوا پھر میاں ابراہیم فرزند خورد کا انتقال ہوا۔

منقول از منجی المومنین من کید الحاسدین صہ ۱۱۸ از قاضی محمد حسین پونہ

محترمہ امتہ الغفور صاحبہ دہلویہ

اسلام کے عہد اولیں اور نبوت وخلافت کے دور ذریں میں مردوں پہلو بہ پہلو عورتیں بھی تعلیمات اسلامی سے بہرہ مند تھیں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضہ کے ذریعہ چوتھائی دین رحت تک پہونچا حضرت ام سلمہ کا علمی مقام بلند ہے لیکن خلافت نے جب ملوکیت کا لبادہ اوڑھا اور نظام اسلامی عجمیت وبدعت کے فتنوں سے دوچار ہوا تو اس صنف نسواں کی طرف سے بے توجہی بڑھتی رہی۔ دور انحطاط میں اسلامی تعلیمات کے لحاظ سے عورتیں پسماندہ ہو کر رہ گئیں لیکن علماء حق وصوفیائے عظام نے اپنے حلقۂ اثر میں اس کمزور صنف کو اٹھانیکی سعی جاری رکھی حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی صاحبزادی حافظہ جمال اور محبوب الٰہی کی والدہ محترمہ زلیخا انکی تعلیمی وتربیتی کارنامے اسکی روشن مثال ہیں محترمہ امتہ الغفور دختر شاہ محمد اسحاق ولی اللّٰہی خاندان میں وہ خوش قسمت خاتون تھیں جنہوں نے علم وعمل کے گہوارہ میں پرورش پائی اک ایسی بزرگ بابرکت ہستی جو محبت خداوندی میں

ہمہ دم محو و سرمست اور عشق نبوی میں سرشار جس کے آئینہ قلب پر گناہ کی پرچھائی نہ پڑی ہو جو اپنی حیات طیبہ میں ملکوتی صفات سے آراستہ رہا ہو۔ شاہ اسحٰق جیسا مربی اور امۃ الغفور جیسی متعلمہ انھوں نے ہوش و شعور کی تکمیل کے ساتھ حدیث و فقہ کی بھی تکمیل فرمائی اس عالمہ فاضلہ خاتون کا رشتہ نکاح ایسی مقدس شخصیت کے ساتھ استوار ہوا۔ جو اس خاندان کی بزرگوں کی صحبت میں تپ تپا کر کندن بن چکا تھا چنانچہ مولانا عبدالقیوم کے ساتھ بیوی صاحبہ سفر حجاز میں ہمراہ تھیں جب وہاں سے واپسی ہوئی تو حضرت مولانا کے ساتھ بھوپال کو ان کی اقامت کا شرف حاصل ہوا مولانا کو حدیث و فقہ کے کسی مشکل مسئلہ میں پیچیدگی پیدا ہوتی تو حرم میں تشریف لے جاتے اور بیوی صاحبہ سے اسکو حل کرا لاتے والد سید صابر علی مرحوم نے نقل فرمایا کہ ایک بار دف کا مسئلہ علمائے بھوپال میں موضوع بحث بنا کہ کون سا دف بجانا جائز ہے یہ مباحثہ مولانا کے دولت کدہ پر ہو رہا تھا مسئلہ کسی طرح نمٹتا ہی نہ تھا بیوی صاحبہ کے کانوں میں بھی یہ باتیں پہونچ رہی تھی ان سے نہ رہا گیا مولانا کو اندر بلایا اور فرمایا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب حضرت سید شہید نے نکاح

ہوگا ان کی سنت کا احیاء کرایا تو اس خوشی میں دف منگایا گیا جب میں ہاتھ میں لیکر دف بجاتی تو حضرت بجانے دیتے اور جب زمین پر رکھ کر بجانا چاہتی تو آپ منع فرماتے تھے اور ہاتھ سے روک دیتے لہٰذا معلوم ہوا کہ ایک طرف کھلا ہوا ہو تو جائز ہے اور دونوں طرف سے منڈھا ہوا ہو تو ناجائز ہے بیوی صاحبہ سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہوئی سب سے پہلے صاحبزادی ستارہ بی کا انتقال ہوا پھر چھوٹے صاحبزادے میاں ابراہیم کی رحلت ہوئی بیوی صاحبہ کا کچھ عرصہ بعد انتقال ہوا ایک روایت کے مطابق بھوپال کے قبرستان کربلا میں دفن ہوئیں۔ اور دوسری روایت کہ انکو قلعہ کہنہ کے زیریں قبرستان میں دفن کیا گیا مولانا کا ذاتی کتب خانہ جو خاندان ولی اللٰہی کے نوادر تبرکات پر مشتمل تھا بحکم سرکار مقفل کر دیا گیا بارہ سال کے بعد جب کھولا گیا تو نذر دیمک ہو گیا تھا۔

مولانا محمد یوسف صدر مجلس العلماء بھوپال

مولانا عبدالقیوم کے بڑے صاحبزادے نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار اور عالمہ فاضلہ مادر شفقہ کے آغوش تربیت میں پائی اور اپنے عزیز قریب قاضی محمد ایوب سے تحصیل علمی کی جب

مزید تکمیل کا قصد ہوا تو پھر اسی اجڑے دیار کی طرف رخ کرنا پڑا جو برباد ہو جانے کے بعد بھی معمورہ علم و ہنر تھا حضرت شاہ اسحٰق صاحب ہجرت فرما چکے تھے اور اس وقت دہلی میں مولانا محبوب علی دہلوی اور مولانا رشید الدین خاں مفتی صدر الدین دہلوی اور مولانا مملوک العلیٰ کا طوطی بول رہا تھا۔ مولانا ان باکمال و متبحر اساتذہ سے علوم و فنون کی تکمیل کی بعد فراغت دہلی کے نامی گرامی خاندان خواجہ میر درد میں رشتہ عقد منعقد ہوا آپکی اہلیہ محترمہ ناصر نواب کی ہمشیرہ محترمہ تھیں مولانا یوسف اپنے والد بزرگوار سے سند عالی لیے چکے تھے اب دہلی کے مذکورہ علماء و فضلاء سے تکمیل کر کے سرزمین بھوپال کو مرکز درس و تدریس بنایا۔ آپ کی ذات گرامی کی بدولت مسند درس افادہ کو خوب رونق ہوئی حسب روایات خاندانی قرآن و سنت کا رنگ چھایا ہوا تھا۔

سفر حرمین شریفین۔

اسی اثناء میں زیارت حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوئے اور حضرت شاہ اسحٰق صاحب کے برادر خورد مولانا شاہ یعقوب سے بیعت ارادت فرمائی اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔

علماء حرمین شریفین سے استفادہ کے علاوہ علامہ ابن عابدین شامی صاحب ردالمحتار کے پوتے علامہ سید محمد علاء الدین صاحب قرہ عیون الابصار لتکملۃ ردالمحتار المتوفی ۱۲۹۰ھ سے علمی مذاکرات فرمائے۔ علامہ آپکے ساتھ بہت اعزاز واکرام کا معاملہ فرمایا بالآخر ان ظاہری باطنی کمالات سے آراستہ ہو کر مراجعت فرمائے بھوپال ہوئے اور پہلے سے زیادہ سرگرمی و مستعدی سے اس دولتِ بے بہا کو تقسیم کرنے میں لگ گئے۔

صدارت مجلس العلماء:۔

جب بھوپال میں قضاء و افتاء کے اختلاف کو دور کرنے میں مجلس العلماء کا قیام عمل میں آیا تو اس کی صدارت کا سہرا سب سے پہلے آپ ہی کے سر باندھا گیا۔ اور اسکے آپ ہر طرح مستحق تھے علمائے احناف و اہلحدیث اپنے مسائل میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے اور آپ کا ہی فتویٰ آخری فیصلہ مانا جاتا تھا آپکی خاندانی نسبت کی وجہ سے ہندوستان کے سبھی علماء و فضلاء احترام فرماتے تھے

مولانا قاسم العلوم کا احترام

خورجہ ضلع بلند شہر کے رئیس اعظم علی خاں تھے جنکی

والدہ مولانا عبدالقیوم سے بیعت تھیں مولانا مرحوم بھوپال سے
جب پڑھانہ جاتے تھے تو خورجہ میں قیام فرماتے مولانا یوسف بھی
اس تعلق سے خورجہ تشریف لیجاتے ایک بار مولانا محمد قاسم خورجہ
تشریف لاکر عبدالرحمان خاں خودجوی کے مکان کی چھت پر بیٹھے
ہوئے دھوپ کھا رہے تھے۔ اتنے میں مولانا یوسف زینے پر چڑھے
مولانا نانوتوی نے کبھی ان کو نہ دیکھا تھا اسلئے واقف نہ تھے۔
امیر خاں نے عرض کیا کہ حضرت یہ مولوی محمد یوسف صاحب مولانا
عبدالقیوم کے صاحبزادے ہیں یہ سنکر مولانا گھبراکر ننگے پاؤں اٹھے
اور جاکر انکی تعظیم کیلئے جھکنا چاہا مگر مولانا محمد یوسف نے قدم نہ پکڑنے
دیا مولانا یوسف نے سرہانے بٹھانا چاہا مگر وہاں نہ بیٹھے تھوڑی
دیر تک باتیں ہوتی رہیں مولانا کی تشریف بری کے بعد مولانا نانوتوی
ان کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے نواب اعظم علیخاں بیمار تھے جہاں
مولانا یوسف مقیم تھے نواب صاحب کے چچا نے مولانا یوسف
کے کان میں کچھ کہا اس کے بعد مولانا یوسف نے مولانا نانوتوی
سے فرمایا کہ نواب صاحب نوعمر ہیں دین کی طرف انکو توجہ نہیں
اگر آپ وعظ فرمادیں تو اسکی برکت سے اعمال صالحہ کی توفیق

ہو جائے مولانا طبعاً امراء سے دور رہتے تھے مگر مولانا یوسف
کے ارشاد کو رد نہ کر سکے مولانا کے ہمراہ حضرت نانوتوی نواب
صاحب کے کمرہ میں تشریف لے گئے نواب نے تعظیم دی اور مسند
پر بٹھایا مولانا با وجود فطری انکسار کے اس موقع پر مسند
نشین ہو گئے اور فرمایا کہ وعظ تو مجھے آتا نہیں مگر اس وقت
ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ بادشاہ کے خدام میں مختلف قسم
کے لوگ ہوتے ہیں کچھ وہ ہوتے ہیں جنکی خدمت ملکی ہوتی ہیں
مثلاً وزراء قضاۃ عمال وغیرہ اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جنکے متعلق
دربانی کے معمولی کام سپرد ہوتے ہیں اور کچھ وہ لوگ ہوتے ہیں جو
بادشاہ کے مصاحب ہوتے ہیں ۔ بادشاہ کے جن پر جس قدر انعام
واکرام زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر وہ زیادہ اطاعت مستحق ہوتے ہیں
اس بنا پر اگر ان لوگوں میں سے جن پر بادشاہ کے زیادہ انعامات
ہوتے ہیں کسی وقت کوئی حکم شاہی کی تعمیل میں کوتاہی ہوتی ہے
تو اس پر بادشاہ کا عتاب بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے جتنی ان پر
عنایت زیادہ تھی مثلاً اگر کوئی وزیر یا مصاحب خلاف ورزی
کرے تو بادشاہ کا عتاب اس سے زیادہ ہوگا جتنا کہ اس

سے کم رتبہ لوگوں کی خلاف ورزی پر ہوتا ہے جب یہ معلوم ہوگیا تو سمجھنا چاہیے کہ امراء پر حق تعالیٰ کے انعامات واحسانات بحثیت دولت مند ہونے کے غرباء سے بحثیت انکے افلاس کے بہت زیادہ ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ ان سے بہ نسبت غرباء کے اطاعت بھی اتنی ہی زیادہ چاہتا ہے جتنے کہ ان پر اسکے احسان زیادہ ہیں اور ان کی خلاف ورزی پر سزا بھی انکو اتنا ہی زیادہ دیگا۔ پس امراء پر لازم ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی اطاعت میں وہ غرباء سے زیادہ کوشش کریں ورنہ انکو غرباء سے زیادہ سزا ہوگی یہ خلاصہ ہے مولانا کی تقریر کا جسکو دلکش پیرائے میں نہائت بساط و تفصیل سے بیان کیا تھا۔

(امیر الروایت ص۳۸)

وفات۔ آخر عمر میں فالج کے حملہ نے مولانا یوسف رح کو چلنے پھرنے سے معذور کردیا تھا لیکن مجلس علماء کی صدارت فرماتے رہے اور آخر دم تک اس چراغ ارشاد و ہدایت سے علم و عمل کی روشنیاں پھیلتی رہیں اور ۱۳۰۵ھ سنہ ہجری میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور بھوپال اس سرزمین خطہ صالحین میں مدفون ہوئے۔

مولوی محمد اسمٰعیل

مولانا اسمٰعیل جو مولانا ابراہیم خلف مولانا عبد القیوم کے صاحبزادے ہیں دار الکمال بھوپال میں اس سال ۱۲۹۹ھ میں پیدا ہوئے جب کہ آپ کے جد امجد مولانا عبد القیوم رحلت فرما ہوئے انہوں نے اپنے عم محترم مولانا محمد یوسف سے علوم متداولہ کی تحصیل و تکمیل کی مولانا یوسف نے اپنی صاحبزادی سے رشتہ نکاح منعقد کیا جن سے دو صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادے ہوئے ابھی اس گل کمال و خوبی نے موسم جوانی کی پوری بہار بھی نہ دیکھی تھی کہ سفر حج کے لئے روانہ ہوئے اور دیار حبیب کی سرزمین میں اپنی آغوش آپکے لئے کھولدی سنہ ۱۳۳۰ھ مکہ معظمہ میں باد فنا کے ایک جھونکے نے اس غنچۂ نو شگفتہ کو کملا دیا۔

آپکی یادگار حاجی احمد صاحب جن کی پیدائش مکہ معظمہ کی ہے الحمد للہ آج سنہ ۱۳۴۰ھ بقید حیات ہیں۔

قاضی محمد ایوب صاحب پھلتی۔

قاضی محمد ایوب ابن مولانا حکیم فخر الدین ابن حکیم مولوی محمد اللہ صدیقی قاضی کا نسب چند پشتوں کے بعد مولانا عبد القیوم صاحب

سے مل جاتا ہے آپکی کنیت ابوالبصر تھی (ہدیہ احمدیہ صہ ۱۱۱)

اس خاندان کے مورث اعلیٰ جنکو شاہ بہلول لودھی بغداد سے اپنے ہمراہ لائے تھے۔ وہ شیخ محمد یوسف تھے جنکو قصبہ سدھور ضلع بارہ بنکی میں لاکر عہدہ قضاء سپرد کیا اور قاضی محمد یوسف ناصحی کے لقب سے مشہور ہوئے۔

قاضی صاحب کی فطرت میں فقر و درویشی کا رنگ پنہاں تھا تھوڑے عرصہ کے بعد قضاء کے ان جھمیلوں سے آزاد ہوکر یاد الٰہی میں مصروف ہوئے سکندر لودھی ان کی پاک باطنی کا گرویدہ ہوکر ۸۶۶ھ میں ان کے ہاتھ پر بیعت ہوا اور اپنے شہزادوں کی تعلیم و تربیت آپکے سپرد کی قاضی صاحب نے بعد فراغت دہلی سے شمال کا رخ کیا بادشاہ نے آپکا ایماء معلوم کر کے قصبۂ بھیلت کو انکی جاگیر میں دیدیا جو اس وقت ایک گھنا جنگل اور پھول و پھل سے بھرا ہوا خطہ تھا یہی وجہ تسمیہ بھیلت کی ہے۔ یہاں آپنے اپنا مصلیٰ بچھادیا اس کے قریب اصل قریہ سکندرپور کا تھا جو جاگیر میں دیا گیا تھا اس خاندان کی ایک شاخ سدھور میں رہ گئی اور بھیلت والی شاخ میں بہت زیادہ عالم اور فقیہہ اور ارباب باطن

پیدا ہوتے رہے (آئینہ پھلت)

اس تقریب سے پھلت ضلع مظفر نگر اس خاندان کا وطن ثانی بن گیا شیخ یوسف کے دو فرزند شیخ احمد اور شیخ محمود تھے پھر شیخ محمود کے دو فرزند شیخ فرید اور شیخ محمد ہوئے شیخ فرید کے فضل وکمال کا شہرہ دور دور تک پہونچا ان کے تین فرزند ہوں شیخ فیروز شیخ عبدالرحمن شیخ ابوالفتح مؤخر الذکر شیخ ابوالفتح نامور عالم ہوئے انہوں نے شیخ عبدالعزیز پھلتی جو شیخ عبدالعزیز شکر بار کے لقب سے مشہور ہیں باطنی استفادہ کیا پھر شیخ نظام نارنولی خلیفہ خواجہ خانون گوالیری کی خدمت میں سالہا سال حاضر ہوکر برسوں مجاہدات کرکے مدارج سلوک کی تکمیل کرکے وطن واپس ہوئے اور مرجع خاص وعام بنے اوراد مشائخ میں ایک رسالہ انکی یادگار ہے شیخ ابوالفتح کے بڑے فرزند انکے خلیفہ وجانشین ہوئے آداب شریعت وطریقت میں اعتدال اختیار کیا اور اس علاقہ میں افادہ ظاہری وباطنی جاری کیا طویل عمر پائی ان کے بعد ابوالکرم بڑے صاحبزادے سجادہ نشین ہوئے لیکن چونکہ پہلے شاہی ملازمت میں رہ چکے تھے اسلئے مقبول عوام نہ ہو سکے ان کے بعد شیخ محمد عاقل

مستقل سجادہ نشین بنائے گئے انہی کے صاحبزادے شیخ محمد ہوئے جو حضرت شاہ ولی اللہ کے محترم نانا اور فخر خاندان تھے شیخ محمد نے شیخ ابوالرضا شاہ عبدالرحیم صاحب سے تعلیم حاصل کی اور تکمیل باطن فرماکر صاحب کرامات ہوئے ۱۱۲۵ھ میں انتقال کیا انہی کے فرزند ارجمند شاہ عبید اللہ ہوئے جن کی تحریک پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ تصنیف فرمائی (حیات ولی ص ۱۰۵ تا ۹۰)

قاضی محمد ایوب کا یہی ننھیالی رشتہ تھا جسکی وجہ سے ولی اللہ خاندان پھلت میں آباد ہوگیا تھا قاضی ایوب صاحب کی ولادت ۱۲۴۱ھ تا ۱۲۴۴ھ کے درمیان قصبہ پھلت میں ہوئی جو میرٹھ سے اُتر سولہ کوس ہے ابتدائی تعلیم گھر میں اور پھر مظفرنگر کے مشہور مصنف علامہ حکیم محمد نصر اللہ خورجوی سے حاصل کی حکیم مولوی نصر اللہ مشہور فقیہہ اور صوفی (ولادت ۱۲۲۶ھ وفات ۱۲۹۹ھ) نے علوم فنون کی تکمیل مولانا احمد علی عباسی چریاکوٹی اور علم طب کے حکیم منصور علی نجیب آبادی سے حاصل کیا پھر شاہ عبدالرحیم لوہاری سے بیعت کی ابتداء حکومت انگلشیہ میں پھر حیدرآباد میں شمالی بعد میں مغربی اضلاع کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے

وہ صاحب تصانیف کثیرہ تھے جیسے ارشاد البلید فی اثبات التقلید شرح خلاصہ کیدانی شرح رباعیات یوسفی وغیرہ (نزہۃ الخواطر ص ۱۰۵ جلد نمبر ۱) بقول مولانا مہر انکا تیغ زبان و بیان اگر مضامین کے سیدانوں کو صاف کرتا تھا تو دوسری طرف سیف و سنان کی صیقل گری فنون جنگ کی مشق مزاولت میں حضرت سید شہید کے ہمرکاب معرکہ کارزار میں مردانہ وار پیش پیش دکھائی دیتے ہیں اسکو علم و عمل کی ہمواری اور قول و فعل کی سازگاری کے سواد اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ (جماعت مجاہدین ص ۳۳)

سفر دھلی

مولانا نصر اللہ جیسے فاضل و کامل استاد کی علمی تحصیل کے بعد انکی علمی تشنگی نے صدائے ہل من مزید لگائی اسلئے مرکز العلوم دلی کا قصد کیا یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت شیخ الآفاق شاہ محمد اسحٰق ہجرت کی تیاری فرما رہے تھے اور آپکی تعلیمی سرگرمیاں آخری بہار دکھا رہی تھی چنانچہ قاضی صاحب شاہ صاحب کے مجالس وعظ میں اکثر حاضر رہے اور بعض کتب حرف کا تبرکاً آنجناب سے درس لیا دہلی میں اس وقت استاد الکل مولانا مملوک العلی

نانوتوی کا سرچشمہ فیض زور و شور سے جاری تھا شاہ احمد سعید مجددی شاہ عبد الغنی مجددی مولانا نصیر الدین لکھنوی شاگرد مولانا عبد الحئی دہلوی اور مولوی رشید الدین خان کی شخصیات مستقل درسگاہ میں تھیں۔ جہاں ہر طالب و شائق فیضیاب ہوتا تھا قاضی ایوب صاحب نے ان بزرگوں سے تحصیل علمی کی آپکے اساتذہ میں محمد علی اکبر محمد علی اصغر ساکنان سونی پت بھی تھے اور علامہ حکیم نواب صاحب سے طب و حکمت کی تکمیل کی اور بیعت طریقت شاہ محمد یعقوب دہلوی سے فرمائی۔ (تذکرہ علمائے حال ص۷)

ورود بھوپال :-

قاضی محمد ایوب صاحب مولانا عبد القیوم صاحبؒ کے کچھ دنوں بعد بھوپال بقول صاحب تذکرہ حال ۱۲۶۲ھ میں تشریف لائے مدرسہ اخوان ریاست میں مدرس ہوئے جہاں مولانا حبیب اللہ خاں رام پوری بھی ایک مدرس تھے ابتداء میں مولانا عبد القیوم کے مکان کے شرقی دالان میں ٹھہرے پھر رابعہ بی بی کی حویلی میں جو دارا سعادت کے قریب تھی سکونت اختیار کی۔

اسی کے ایک دالان میں درس و تدریس کا ہنگامہ گرم فرمایا میاں محمد اسحٰق خلف اکبر میاں خیر الدین انصاری بخاری و مسلم کا یہیں درس لیتے تھے۔ اسی مکان کے قریب مولوی عبداللہ پنجابی بھی موجود تھے جہاں شبانہ روز درس و تدریس کی گرم بازاری رہتی تھی پھر نواب سلطان جہاں بیگم نے قاضی محمد ایوب صاحب کو اتالیقی کا اعزاز بخشا اور فارسی کی تعلیم ان کے ذمہ کی گئی۔

(حیات شاہجہانی ص۲)

منصب افتاء و قضاء

جب قاضی زین العابدین یمن سے آکر قائم مقام قاضی ہوئے تو مولانا ایوب نائب قاضی بنائے گئے اس وقت دار القضاء میاں خیر الدین کے محرابی دروازہ کے بالاخانہ پر تھا پھر جب مدار المہام نے اپنی بڑی صاحبزادی زکیہ بیگم کے لئے گلاب بی کا مکان خرید کر تعمیر کیا تو باہر کے مغرب رویہ دالان میں دار القضاء آگیا اس کے بعد جب قاضی زین العابدینؒ نے سبزی منڈی میں مکان بنوایا (موتیا پارک میں) تو وہاں منتقل ہو گیا مولانا ذو الفقار احمد تحریر فرماتے ہیں کہ یاد آتا ہے کہ بعض وقت میں نے دیکھا کہ قاضی جی نے مولانا ایوب کو درمختار

دی اور کہا کہ اس قید کو ذرا دیکھ لینا وہ پریشان ہو رہے ہیں چونکہ انکی درمختار پر انکے ہاتھ کے حواشی بہت لکھے ہوئے تھے۔

پھر امراؤ دولہ کے انتقال ۱۲۸۴؁ میں مولوی فتح اللہ نائب قاضی ہوئے تو مولانا محمد ایوب مہتمم مدارس سلیمانیہ اور مولوی سید اکبر علی نائب مہتمم ہوئے مولوی عبداللہ ملتانی کو اہتمام سے الگ کر کے منصب افتاء پر قائم کیا گیا اور مولوی احمد گل نائب مفتی ہوئے پھر زمانہ نے چکر کھایا نیا رنگ جمایا مولوی احمد گل کے انتقال پر مولوی عبدالرشید شوبیانی نائب مفتی اور سید عبداللہ مفتی کے انتقال پر مولوی سید انور علی مفتی ریاست ہوئے افتاء و قضاء کے ارکان کے درمیان جب باہمی اختلاف پیدا ہوا اور زمانہ نے کروٹ بدلی تو مولانا ایوب صاحب مفتی ریاست اور مولوی سید انور علی مہتمم مدرسہ سلیمانیہ اور مولوی الہٰی بخش نائب مہتمم ہوئے عرصہ دراز تک مفتی محمد ایوب صاحب فتوی نویسی کی خدمت بحسن و خوبی انجام دیتے رہے قاضی زین العابدین کے بعد قاضی بشیر احمد قنوجی اور شیخ محمد محدث مچھلی شہری فرائض قضا انجام دیتے رہے جب شیخ محمد محدث مستعفی ہو کر چلے گئے تو مفتی محمد ایوب صاحب قاضی ہوئے

اور مولوی عبدالحق صاحب کابلی جو آپکے نائب تھے مفتی ریاست مقرر ہوئے (محفوظ قلمی ص۲۶) قاضی مفتی محمد ایوب کا دور قضاء بھی دور افتاء، کی طرح کامیاب رہا اور آپکے علمیت اور قابلیت دیانت و امانت کو تسلیم کیا گیا۔ عنایت خداوندی سے دو مرتبہ زیارت حرمین شریفین کی سعادت بھی حاصل ہوئی اور وہاں کے مشہور محدث عصر شریف محمد ابن ناصر ابن حسین حازمی کی خدمت میں حاضر ہوکر اوائل کتب سناکر اجازت عامہ حاصل فرمائی لمشہور ہے کہ قاضی محمد ایوب صاحب کو سات بار دورۂ حدیث مستقل پڑھنے کا خوش قسمتی سے اتفاق ہوا اس بنا پر اس سرچشمۂ علوم و فنون کی طرف تشنگان دین کا رجوع ہوا اور بھوپال و بیرون بھوپال کا جمگھٹا آپکے کاشانہ پر رہتا تھا یمن کی سند عالی کی بنا پر علماء اہل حدیث بھی آپکی طرف رجوع کرتے تھے۔

لطیفہ:-

حکیم برکات احمد ٹونکی جو خیرآبادی خاندان کے آخری چشم و چراغ اور مولانا فضل حق خیرآبادی کے فلسفہ و حکمت میں جانشین

ہوئے بعد تکمیل حکمت استاذ سے حدیث شریف کی تعلیم کی استدعا کی علامہ فضل حق نے ارشاد فرمایا کہ بھوپال جاؤ وہاں مولانا شیخ حسین عرب مولانا البشیر احمد سہسوانی مولوی سلامت اللہ جے راجپوری اور قاضی محمد ایوب کاملین حدیث موجود ہیں اول الذکر تینوں اہل حدیث اور قاضی صاحب پکے حنفی ہیں انکو میں خط لکھ دونگا حکیم صاحب نے عرض کیا کہ قاضی صاحب رشتہ سے میرے خالو ہوتے ہیں چنانچہ حکیم صاحب انکے ساتھ مولوی نصیر احمد خلف ولی محمد پھلتی سالار لشکر اسلام اور مولوی فیض محمد مولوی خلیل الرحمن بھی تھے چنانچہ حکیم صاحب ۱۳۱۲ء میں بھوپال تشریف لائے اور قاضی صاحب نے اپنے یہاں آثار اوقات قضاء کے علاوہ شبانہ روز حدیث کا درس تہجد سے لیکر صبح تک تحقیقی طور پر ہوتا رہتا تھا۔ جس کا تحمل آپکے رفقاء نہ کر سکے اور ان بزرگوں نے گنگوہ پہونچکر قطب عالم مولانا گنگوہی سے تکمیل فرمائی حکیم صاحب نے کل آٹھ ماہ میں صحاح ستہ کی تکمیل فرمائی اور وطن واپس ہوئے وہ عمر بھر منطق و فلسفہ کا درس دیتے رہے مگر آخر عمر میں رنگ حدیث غالب آیا۔

وفات :۔ قاضی محمد ایوب کی وفات ۲۹ جمادی الثانی سنہ ۱۳۱۵ھ شب پنجشنبہ بمقام بھوپال ہوئی قاضی مفتی محمد یحییٰ اور حافظ محمد قاسم آپکی اولاد نرینہ تھے قاضی یحییٰ صاحب بیلت گئے ہوئے تھے اطلاع پر دوسرے دن بھوپال پہونچے تمام دفاتر سرکاری بند کر دیئے گئے تاریخ وفات غفرلہ سے نکلتی تھی آپکے مشہور شاگردوں میں شاہ ابو احمد مجددی آپکے خلف صدق قاضی محمد یحییٰ مولانا یوسف صدر مجلس العلماء مولانا قادری مفتی عبد الہادی مولوی سید خلیل الرحمن مفتی ٹونک مولوی حکیم برکات احمد ٹونکی مولوی حافظ عبد العزیز چراغ بھوپال اور خود علیا حضرت سلطان جہاں بیگم بھی تھیں بقول مولانا رفیع الدین جوش

قیوم علم دوست اور ابواب نیکنام
اعلم تھے اور فقیہہ و محدث تھے لاکلام
بھوپال کے رئیسوں نے باعزت تمام
منصب قضا و افتار کے انکو دیئے مدام
منصب کے ساتھ عزت جاگیر کی عطا
فرمانروا و شہر کی رہے ان پہ سب فدا

قاضی مفتی محمد یحییٰ صاحب

قاضی یحییٰ جو قاضی محمد ایوب صاحب کے بڑے صاحبزادے تھے ۲ جمادی الثانی ۱۲۷۶ھ میں بھوپال پیدا ہوئے والد ماجد نے نام محمد یحییٰ اور ماموں صاحب نے تاریخی نام تنظیر حسن رکھا بچپن ہی سے تعلیمی سلسلہ کا آغاز ہوا دس سال کی عمر میں حافظِ قرآن ہوئے اور اپنے والد مکرم قاضی محمد ایوب اور عم محترم شاہ عبدالقیوم صاحب سے تحصیل علمی فرمائی والد صاحب کی نگرانی ہی میں تدریسی زندگی کا آغاز ہوا بالاخانہ کے ایک گوشہ میں قاضی محمد ایوب اور دوسرے حصہ میں قاضی یحییٰ صاحب درس دیا کرتے تھے شروع میں جملہ علوم و فنون کے ساتھ یکساں دلچسپی رہی لیکن عمر کی رفتار کے ساتھ تفسیر و حدیث اور فقہ سے شغف بڑھتا گیا اور آخر عمر میں صرف انہی علوم کا درس دیتے تھے حسب روایات خاندانی طب کی بھی تکمیل فرمائی اور مطب بھی کیا پرانے وضعدار اصحاب مولوی حکیم عبدالحی صاحب حکیم محسن صاحب حکیم نورالحسن صاحب ڈاکٹر عماد الحسن اور ڈاکٹر رحمت اللہ آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے حالانکہ یہ خود ارباب حکمت میں سے تھے

قاضی صاحب کو نادر کتابیں جمع کرنیکا بیحد شوق تھا ہر قسم کی کتابوں کے فراہم کرنے میں مستعد رہتے قلمی کتابیں خود اپنے ہاتھ سے نقل فرماتے اسی طرح احادیث مسلسلات بالا ولیت حاصل کرنیکا بے پایاں شوق تھا۔ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے سند حاصل کرنیکے لئے پانی پت کا سفر کیا اور سند حاصل کی وہ پہلے قاضی تھے جو بقدر ضرورت انگریزی جانتے تھے۔

بیعت و خلافت:۔

حضرت شاہ ابو محمد مجددی کے ہاتھ پر بیعت ہوکر مدارج باطنی کی تکمیل فرمائی شاہ صاحب نے قاضی صاحب کو چاروں سلسلوں کی اجازت مرحمت فرمائی اور خلافت کی شرف سے معزز کیا قاضی صاحب اگرچہ شاہ صاحب کے مرید تھے لیکن جب خانقاہ مجددیہ تشریف لے جاتے تو شاہ ابو احمد صاحب تعظیماً کھڑے ہوکر مصافحہ فرماتے۔

عرض کرتے ہیں تو حضرت کا متوسل ہوں اس تعظیم کے لائق نہیں بلکہ اس سے محجوب ہوتا ہوں ارشاد فرماتے آپ عالم دین ہونیکے علاوہ میرے استاد مولانا محمد ایوب صاحب کے

صاحبزادہ ہیں اور میرے لئے واجب التعظیم ہیں شاہ صاحب کے انتقال کے بعد بھی حسب معمول خانقاہ حاضر ہو کر تمام معمولات میں شرکت فرماتے

منصب افتاء

قاضی محمد یحیٰی سب سے پہلے نائب مفتی ہوئے تھوڑے دن نہ گذرنے پائے تھے کہ خاندانی جائداد کے انتظام کیلئے پھکت جانا پڑا اور عہدہ مذکور سے مستعفی ہو کر دو سال بعد ۱۳۱۵ھ میں قاضی محمد ایوب صاحب کا انتقال ہوا تو سلطان جہاں بیگم نے علمی و خاندانی حق کی بنا پر عہدۂ افتاء پر فائز فرمایا اور مفتی عبدالحق کابلی قاضی ریاست بنائے گئے قاضی محمد یحیٰی صاحب عالم و فاضل ہونے کے علاوہ بہترین منتظم بھی تھے، ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء حسب ذیل احکام جاری ہوئے مدارس عربی و فارسی و ہندی شہر و مفصلات اور کتب خانہ قیصر نگاہ زیر نگرانی مولوی محمد یحیٰی مفتی ریاست رہیں گے۔ انہی کے واسطے سے جملہ مدارس و کتب خانہ کے عرائض آیا کریں مزید احکام جمادی الثانی ۱۳۲۰ھ کو صادر ہوئے کا غذات مدارس و مفصلات

بواسطہ ناظمان وتحصیلداران آنیکی ضرورت نہیں ہے جملہ مدرسین مدارس محالات کو ہدایت کردیجائے کہ بلا واسطہ دیگر افسران تحریرات ونقشہ جات وغیرہ بالا بالا آپکے سررشتہ میں بھیجا کریں (ہدایات سلطانی صہ ۱۲ جلد نمبر ۲) افسری مدارس کا عہدہ موجودہ دور کے ڈائرکٹر تعلیمات کے ہم پایہ ہے اس لئے سرکار عالیہ کا آپکو منتخب کرنا انتظامی صلاحیت کو آشکارا کرتا ہے اور اپنے دور افسری میں خود کو اس کا مستحق ہونا ثابت کیا۔

عہدہ قضاء:۔

جب مولانا قاضی محی الدین مرادآبادی ۱۹۱۹ء سنہ میں اس عہدہ سے سبکدوش ہوکر مراجعت فرمائے وطن ہوئے تو قاضی محمد یحییٰ کو خریطہ شاہی کے ذریعہ ۷ مارچ ۱۹۱۹ء سنہ کو عہدۂ قضاء کا اعزاز بخشا گیا اس وقت اپنے وطن بھلدت گئے ہوئے تھے یہاں پہونچکر اس عہدۂ جلیلہ کا چارج کیا۔

اصلاحات دار القضاء

قاضی صاحب کے دفتر قضا میں ایسی اصلاحات فرمائی

جسکی وجہ سے دار الافضار کا وقار عوام و خواص کی نظروں میں بڑھ
گیا قواعد وضوابط مقرر فرمائے فرائض امور کی تقسیم کی گئی جس
سے کام میں باضابطگی پیدا ہوئی نکاح خوانی کے رجسٹر اور
انکے اندر باضابطہ اندراجات مقدمات کی سماعت اور ان کے
فیصلہ جات کے لئے قاعدہ بنائے گئے مقدمہ کی سماعت اجلاس
میں کی جاتی عدم حاضری کی صورت میں پولس کے ذریعہ فریق کی
طلبی کا طریقہ رائج کیا نقشہ نکاح کا نمونہ تیار کرکے طبع کرایا
جس پر عاقدین وکیل و شاہدین کے دستخط ہوں نکاح بیوگان
اور مطلقات کی تحقیقات کے قوانین بنائے ایسی دیہات میں
جو بدعنوانیاں عرصہ دراز سے چلی آرہی تھی مستقل دورہ فرماکر
وہاں بھی اصلاحات نافذ کی نکاح ثانی کی ترویج اور اس کا
احیاء فرمایا قاضی محمد یحییٰ کا شاندار کارنامہ ضابطہ تحفظ حقوق
زوجین جسکا مسودہ سلطان جہاں بیگم کے حکم سے آپ نے
مرتب فرمایا تھا اور پھر جملہ علماء ہند کا تقریباً متفقہ فیصلہ قرار
پایا لیکن افسوس کہ ریاست میں اسکے نفاذ سے پہلے آپ دنیا سے
تشریف لے جا چکے تھے قاضی صاحب مخلوق خدا کی خدمت میں

ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے مگر نام ونمود سے نفرت تھی عہدہ افتاد کے زمانے میں جب بھوپال میں طاعون پھیلا تو نماز فجر کے بعد ہر محلہ میں تن تنہا جاتے بیماروں کا علاج کرتے تیمارداروں کو تسلی دیتے اوقات دفتر کے علاوہ تمام وقت اسی کام میں صرف کرتے رات کے بارہ بارہ بجے تک بسا اوقات گشت فرماتے۔

عام معمولات۔

بعد نماز ظہر حسب روایت ولی اللّٰہی ایک گھنٹہ ترجمہ قرآن بیان فرماتے مختلف محلوں کے لوگ سننے جمع ہو جاتے اس فقیر کو بھی بچپن میں ترجمہ کے سماعت کی سعادت حاصل ہوئی اس طرح دو تین بار پورے قرآن کا ترجمہ مکمل فرمایا کبھی جمعہ کو جامع مسجد میں وعظ فرماتے ان کی زندگی نہایت سادہ تھی طلبہ اور غربا کے ساتھ یکساں طور پر پیش آتے اپنی آمدنی کا چوتھا حصہ مد حسنات میں صرف فرماتے طبعیت میں تقویٰ اور طہارت رچی ہوئی تھی بازاری مٹھائی سے پرہیز فرماتے ہر شخص کی سعی وسفارش میں دریغ نہ کرتے لیکن حق وانصاف کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی سفارش کو رد کر دیتے بڑے سے بڑے حاکم کی مخالفت وناراضگی کی

پرواہ نہ کرتے قاضی صاحب کے مہارت فتویٰ نویسی کا لطیفہ والد مرحوم نے فرمایا کہ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ جو اپنے تبحر فقہی کے اندر اس آخری دور میں ابوحنیفہ زماں تھے جب پیچیدہ فتاویٰ کوئی فتویٰ دستخط کے لئے پہونچتا تو فرماتے دیکھو بھوپال کے قاضی صاحب کے دستخط ہیں۔ تو کہا جاتا کہ ہیں تو بلا دیکھے دستخط فرما دیتے عدالتوں سے آنے والی امثلہ پر جو فتاویٰ تحریر فرماتے انکے نقول دفتر میں رہتے لیکن ذاتی طور پر بھی مقامی دبیرونی فتاویٰ کی نقول خانگی رجسٹروں میں محفوظ رکھی جاتی جب انتقال ہوا تو ۲۰/۲۵ مجلدات تیار ہو چکے تھے جب کبھی تصنیف و تالیف کے لئے کہا جاتا تو یہ کہکر ٹال دیا کرتے کہ میں اس لائق کہاں کہ میری تصنیف و تالیف ہو قاضی محمد یحییٰ رح کو تعبیر رویا کا خداداد ملکہ اور فطری مناسبت تھی عموماً جو تعبیر دیتے وہی خارج میں ظہور میں آتی تعبیر نویسی کا کام مستقل مشغلہ بن گیا تھا۔

لطیفہ۔ ایک بار مولانا تھانوی صاحب سے کسی نے خواب کی تعبیر دریافت کی تو حکیم الامت نے قاضی یحییٰ صاحب سے تعبیر دریافت کرنے کی رہبری فرمائی اور لکھا کہ مجھے تعبیر خواب سے

مناسبت نہیں چنانچہ حضرت تھانوی کو ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا زیادہ توجہ فرمائی کے لئے یہ بات عرض کرنا ہے کہ کسی صاحب کو کوئی خواب اگر میری تعبیر دینے کے واسطے فرمایا جانیکے قابل ہو اگر تو تعمیل ارشاد ضرور ہو گی لیکن ایسا بالکل نہ فرمایا جائے کہ مجھے تعبیر کے ساتھ مناسبت نہیں اسکے فرمانیکی ضرورت کیا ہے۔ اگر خود جناب کا یہی خیال ہے بھی تو اس کے فرمانیکی ضرورت نہیں ہے اور یہ جو عرض ہوا یہ بھی کسی کے سامنے فرمانیکی بات نہیں جناب کو مطلع کرنا ضروری سمجھا۔

۳ / جولائی ۱۹۲۸ء

الداعی بالخیر محمد یحیٰی بھوپالی

اس خط کا جواب حکیم الامت نے دست مبارک سے تحریر فرماکر ارسال کیا وہ تبرکاً درج ذیل ہے۔

از ناکارہ اشرف علی تھانوی عفی عنہ

بعد الخدمت مصدر فیوض و برکات دامت افاداتہم افاضاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ارشاد بالا پر عرض ہے کہ احقر اس کہنے کی ضرورت صرف اظہار حق و حفظ خلق از تلبیس معالجۂ نفس خود سمجھا تھا امر ثانی اگر ایجاباً ہوتا

تو میں اسکو اپنے مزعومہ مصالح پر مقدم رکھتا غالباً یہ امر اسمیں باعث ہے اسلئے میں دونوں شقوں میں گنجائش سمجھتا ہوں باقی دعاء خیر کا انتہا محتاج ہوں۔

والسلام

پرچہ سائل اقتثالاً للامر حافظ محمد یعقوب کے پاس بھیجدیا ہے۔

۷ صفر ۱۳۴۷ھ

بہرحال قاضی صاحب کی ذات اس آخری دور میں جامع الکمالات تھی تقویٰ شعاری و پرہیزگاری کا حد جواز کے اندر بھی محتاط رویہ رہتا تھا اسی بناء پر غیر مسلم کے یہاں کی ترچیز دل سے پرہیز فرماتے کہ وہ اصول پاکیزگی سے ناواقف ہیں یہ احتیاط اس درجہ میں تھی کہ دفتری چیز کو استعمال میں نہ لاتے نہ دفتر کے عملہ سے ذاتی کام لیتے ایسے ہی ان مجالس سے احتراز فرماتے جہاں لہو و لعب ہوتا۔

ایک بار سرکاری دعوت پر طلبی ہوئی رئیسِ وقت سے عرض کیا کہ وہاں سرکاری بینڈ سلامی ضرور دیگا اسلئے معذور رکھا جائے جواب میں کہا گیا کہ آپکی شرکت ضرور ہوگی جب تک وہاں

رہیں گے بینڈ سلامی نہ دیگا۔

انتقال پر ملال :۔

مرض الموت سے ایک ماہ پہلے شدید کھانسی اور سینہ میں درد کی تکلیف ہوئی اطبا نے مرض ذات الصدر تجویز کیا لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی غشی طاری ہونے لگی جب ہوش میں آتے نمازیں ادا فرماتے علالت کے درمیان چند بار فرمایا علاج کی ضرورت نہیں گویا حضرت صدیق اکبر کے مقولہ کی یاد تازہ کردی

امر حقی الطبیب :۔

انتقال سے پہلے تمام امانتوں پر پرچہ لکھکر رکھدیئے غرض ۱۶ر اگست سنہ ۱۹۳۱ء کی صبح کو ایسی بے ہوشی طاری ہوئی کہ پھر ہوش نہ آیا اور ۱۱، ۱۲ بجے دن میں انتقال فرمایا اس خبر وحشت اثر کے پھیلتے ہی سرکاری دفاتر بند ہو گئے بعد نماز عصر جنازہ روانہ ہوا اور اپنے والد ماجد قاضی ایوب صاحب کے پہلو میں دفن ہوئے منشی یعقوب نے قطعہ تاریخ لکھا۔

ع

قاضی یحیٰی چوں انوار العلوم
رفت از دنیا سوئے جنت شتاب
سال رحلت گفت عاصی سر بسر
واقف علم و شریعت لا جواب

قاضی صاحب کے اصلاحی کارنامے تاریخ دار القضا کے شاندار کارنامے ہیں محکمہ کی حقیقی عظمت و شوکت کو نہ صرف بازیاب کیا بلکہ وقت کی قانونی عدالتوں کے دوش بدوش لاکر کھڑا کر دیا اور بعد میں آنے والے قاضیوں کے لئے راستہ صاف فرما دیا۔

حلقہ شاگرداں :۔

آپ کے فیضیاب شاگردوں کا سلسلہ ملک اور بیرون ملک کابل بخارا تک پھیلا ہوا تھا چند کے نام درج ذیل ہیں۔

خلف اکبر مولوی شیخ محمد صاحب مولانا ابوالنصر سید سلطان بھوپالی مدرس جامعہ ازہر مصر مولوی مفتی علاء الدین صاحب مفتی بھکت مولانا عبد الحلیم صدیقی شاہ محمد یعقوب مجددی مولانا مفتی عبادالٰہی خاں صاحب مولوی فاروق صاحب نائب مفتی علامہ ابراہیم خلیل

مولانا عبدالرشید صاحب مسکین مولانا رضوان الدین صاحب مولانا محمد شعیب قاری بختیار خاں صاحب مولوی فضل غفور صاحب مفتی ولی اللہ مولوی شیخ محمد صاحب خلف اکبر تکمیل علمی کے بعد نائب مفتی مقرر ہوئے پھر سبکدوش ہو کر سلسلہ علاج شروع کیا اور بیرون بھوپال سیاح بنکر زندگی کا بڑا حصہ گذارا سنہ ۴۷ھ میں لاپتہ ہو گئے۔

قاضی محمد شعیب صاحب

قاضی محمد شعیب صاحب سنہ ۱۸۰ھ میں بھوپال میں پیدا ہوئے والد بزرگوار سے تعلیم و تربیت حاصل کی علمی تحصیل خانگی رہی ابتداءً مدرسہ احمدیہ میں ابتدائی مدرس ہوئے پھر سلیمانیہ میں فقیہہ مقرر ہوئے قاضی محمد یحییٰ کے انتقال کے بعد مجلس العلماء کے رکن مقرر کئے گئے جہاں قضاء و افتاء کے مابین مختلف فیہ مسئلہ کے فیصلے نہایت عرق ریزی سے تحریر کئے ریاست کے ختم ہونے پر قاضی رضوان الدین کے بعد منصب قضاء پر قائم ہوئے جہاں طلاق و نکاح کے مقدمات شرعی روشنی میں فیصل فرماتے۔

پھر اس عہدہ سے مستعفی ہو کر خانہ نشین ہو گئے زیادہ وقت

تلاوت قرآنی اور یاد الٰہی میں گذارنے لگے آخر ۷ رمضان ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۹۶۲ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اور تین صاحبزادے مولوی زبیر صدیقی مرحوم اور عیسیٰ صدیقی و ہارون صدیقی یادگار چھوڑے قاضی محمد شعیب نے آسان حدیث کے نام سے مسند احمد اور دیگر کتب حدیث سے احادیث شریفہ کے ترجمہ کا سلسلہ جاری فرمایا جو آسان حدیث کے نام سے مقبول ہوا آسان فقہ کے نام سے مسائل طہارت و نماز کو شائع کیا بہرحال قاضی محمد شعیب صاحب خوش پوشاک خوش خوراک اور خوش قسمت عالم تھے۔

قاضی رضوان الدین صاحب

مولانا قاضی رضوان الدین صاحب مولوی رفیع الدین جوش کے خلف الرشید تھے قاضی محمد یحییٰ کے رشتہ کے بھتیجے اور سعادت مند داماد اور لائق فائق شاگرد تھے ۱۳۰۷ھ ۱۸۸۹ء اپنے وطن مالوف قصبہ کھلت میں پیدا ہوئے تاریخی نام رضوان الہدیٰ مگر رضوان الدین کے نام سے مشہور ہوئے عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کر کے سرکاری اسکول

میں مڈل پاس کیا۔ قاضی محمد یحییٰ رحمہ انکی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت
کو دیکھتے ہوئے اپنے ہمراہ بھوپال لائے اس وقت آپکی عمر ۱۶ سال تھی قاضی
صاحب نے درس نظامی کی اکثر کتابیں پوری پوری پڑھائی اور مدرسہ احمدیہ
عربی کا آخری امتحان دلایا اس وقت جامعہ احمدیہ دارالعلوم دیوبند سے
ملحق تھا امتحانی پرچہ وہیں سے آتے اور وہیں جانچ کئے جاتے۔ اور
نتیجہ امتحان بھی دیوبند سے شائع ہوتا تھا چنانچہ حافظ محمد احمد خلف
حضرت مولانا نانوتوی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے دورۂ فراغت
کے امتحان کی امتیازی کامیابی پر انکی مدح وستائش فرمائی
اور آپکی جوابی قابلیت کو سراہا علاوہ ازیں ملا فاضل الہ آباد
مولوی فاضل منشی فاضل پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات میں
امتیازی کامیابی حاصل کی پھر فاضل طب آصفیہ طبیہ کالج بھوپال
سے فراغت حاصل کی اور انگریزی قابلیت بھی بقدر ضرورت پیدا
فرمائی قاضی محمد یحییٰ صاحب کے علاوہ آپکے استاذوں میں مولانا
عبدالرحمن سیوہاروی شاگرد حضرت مولانا امروہی مولانا عبدالاحد
منطقی مفتی عنایت اللہ علی گڑھی حکیم عبدالقادر صاحب افسر الاطباء
مولانا محمود علی مدراسی فاضل ہیئت اور حکیم محمد محسن تھے۔

آپکے رفقاء درس میں مولانا عبد الحلیم صدیقی مولوی محمود علیخاں صدر شعبۂ عربی آل انڈیا ریڈیو علامہ ابراہیم خلیل وغیرہ تھے قاضی محمد یحییٰ رح نے انکی تعلیم وتربیت اپنی اولاد کی طرح کی تھی اور اپنی بڑی صاحبزادی کو انکی طرف منسوب کیا اور ہمیشہ اپنی سرپرستی میں رکھا حبیب تیرہ سال بعد اہلیہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا تو دوسری شادی مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء کی صاحبزادی سے ہوئی جو آپکے نانیہالی عزیز بھی تھے قاضی رضوان الدین صاحب کی بیاض حیات کا سب سے بڑا عنوان درس وتدریس ہے مدت العمر یہی پاکیزہ مشغلہ رہا ۱۹۱۲ء میں اولاً مدرسہ سلیمانیہ پھر جامعہ احمدیہ کے مدرس ہوئے آخر میں مسند صدارت کو رونق بخشی ۔ ۳۰ سال تک مختلف علوم وفنون کا درس دیا۔

اور جامع شخصیت تھے جس خوبی سے ادب کا درس دیتے تھے اسی کمال کے ساتھ اقلیدس وحساب پڑھاتے تھے ایک طرف عربی قصائد لکھتے تو دوسری طرف تفسیر حدیث وفقہ بلکہ طب تک کی تعلیم اسی مہارت سے دیتے کیسا ہی مشکل مسئلہ ہو اپنی تقریر سے پانی کر دیتے طلبہ ہمہ تن گوش بر آواز رہتے آپ کے آواز کی گونج ابھی تک کانوں میں ہے ۱۹۴۲ء میں نائب قاضی بنائے

گئے قاضی محمد حسن صاحب اور علامہ سید سلیمان ندوی کی معیت میں خدمات قضا کو بحسن وخوبی انجام دیا آپکی معاملہ فہمی و دیانتداری کا عمدہ نقش ہر دو بزرگوں کے دل میں مرتسم رہا علامہ ندوی سے تشریف بری کے بعد خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا ریاست کے ضم ہو جانیکے بعد آپ کو قاضی ریاست تسلیم کیا گیا۔

ان سارے کمالات کے باوجود بے حد سادہ مزاج فروتنی و انکساری کا نمونہ خود نمائی سے کوسوں دور اور بزرگان سلف کے آخری نمونہ تھے اپنے چھوٹوں پر بے حد مہربانی راقم الحروف یہ واقعہ کبھی نہیں بھولتا کہ جب وہ ۵۲ء میں حج سے واپس ہوا تو حضرت مرحوم ہار لئے ہوئے غریب کدہ پر تشریف لاکر چبوترہ پر بیٹھ گئے بندہ کے باہر آنے پر ہار گلے میں ڈال کر فرمایا مبارک ہو اس عزت افزائی پر بندہ شرم سے پانی پانی اور حضرت مرحوم خوش خوش اظہار مسرت فرماتے رہے۔ مولانا مرحوم کی طبیعت میں حیرت انگیز نظم وضبط کا مادہ تھا روزانہ آمد و خرچ کا حساب قلمبند کرتے تھے یہ واقعہ نہایت تعجب انگیز ہے کہ آپکی پوری زندگی کا حساب وکتاب ابتداء ملازمت سے زندگی کے آخر دن تک مکمل شکل میں منضبط اور آنہ پائی

تک کا گوشوارہ محفوظ ملا۔

بہرحال ایک ایسی قابل قدر شخصیت جس نے ۳۰ سال تک درس اور تدریس کی اور تیرہ ۱۳ سال تک محکمہ قضاء کے خدمت دیانت و امانت سے انجام دی دفعتہً شب عاشورہ ۱۳۰۷ھ رات میں اس دار فانی سے رہ گرائے عالم فانی ہوئے خطہ صالحین میں اس گوہر گرانمایہ کو سپرد خاک کیا گیا ایک صاحبزادہ نعمان الدین دوسرے رضی الدین اور ایک صاحبزادی ہمیشرہ بھی یادگار چھوڑی۔

برسوں لگی رہی ہیں جب مہر و ماہ کی آنکھیں
تب کوئی ہم سا صاحب صاحب نظر بنے ہیں

—

تمہید

جیسا کہ ہم بھوپال تحریکات آزادی کے آئینہ میں مفصلاً لکھ چکے ہیں
کہ جب جب اسلامی معاشرہ میں اندرونی و بیرونی خرابیوں نے
راہ پائی تو امت میں ایسے مصلح و مجدد پیدا ہوتے رہے جنہوں نے
اپنی اصلاحی فرائض اور تجدیدی کارنموں سے دین و شریعت
کے احکام کی عمل پیرائی میں نئی زندگی و تازگی اور توانائی پیدا کی اس
سلسلہ میں خداوند قدوس نے چند خاندانوں کو دینی و اصلاحی
اور تجدیدی کاموں کے لیئے اس طرح منتخب کیا کہ نسلاً بعد نسل
انکے یہاں ایک ایک مدت تک علمی و عملی خدمات کا سلسلہ جاری
رہا جس کے اندر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نام نامی
سرفہرست ہے مغل شہنشاہیت کے ابتدائی دور میں
شیخ اور انکی نسل میں ایسے علما پیدا ہوتے رہے جن کے ذریعہ
قرآن و سنت اور تصوف و سلوک کے سچے سلسلہ کو فروغ حاصل ہو

حضرت شیخ نے مشکوٰۃ کی فارسی کی شرح اشعۃ اللمعات تصنیف فرمائی مدارج نبوت سیرت میں شیخ کی اہم کتاب ہے ان کے صاحبزادہ شیخ الاسلام نے بھی حدیث کی خدمت کی۔ اور مولانا نورالحق صاحب کی بخاری کی شرح تیسیر القاری فارسی میں لکھی گئی غرض شیخ اور ان کے خاندان حدیث اور سنت کی تصانیف کی گرم بازاری رہی اسی عصر میں حضرت مجدد الف ثانی کا غلغۂ تجدید بلند ہوا اور حضرت مجدد کے مکتوبات نے دور اکبر کی خرافات کا قلعہ قمع کیا آخر میں ولی اللٰہی دعوت سے پورا ملک گونج اٹھا اس خاندان کی علمی و اصلاحی اور انقلابی کارناموں سے اسلامیان ہند کی تاریخ روشن و درخشاں ہیں ریاست بھوپال ان خوش نصیب ریاستوں میں سے ہے جہاں ان تینوں خاندانوں سے وابستہ علماء نے ریاست کو اپنی علمی و دینی روشنیوں سے منور فرمایا جس کی پوری تفصیل تذکرہ علماء و صوفیا بھوپال میں کی گئی ہے یہاں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے خاندان سے متوسل قاضی شریف الدین دہلوی کے تذکرہ کو اپنی کتاب کی زینت بنا رہے ہیں خوش قسمتی سے ہمکو قاضی صاحب

کی خود نوشت انکے نواسہ مجید الحسن شریفی خلف مولوی عزیز الحسن کے ذریعہ حاصل ہوئی جسکا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ننگ خاندان نسبتاً فاروقی ہے اسکے بزرگوں میں ولایت و امارت اور علم و فضل کا سلسلہ برابر چلا آرہا ہے اسکے اکابر ہمیشہ سے بلند مراتب اور علمی مناصب پر سرفراز و ممتاز رہے میرا خاندان ہندوستان میں آفتاب سے زیادہ روشن رہا ہے والد کا نام ابوالقاسم نظام الدین جو بحر العلوم مولانا دلیل اللہ کے صاحبزادہ تھے مولانا دلیل اللہ تاج شریعت و طریقت مولانا محب اللہ الہ آبادی کے صاحبزادہ تھے جنکے والد مولانا غلام نور تھے جنکا خطاب شعلۂ طور تھا وہ صاحب جاگیر و منصب اور شہرۂ آفاق شخصیت تھی والدہ ماجد کی طرف سے سید لعل ابن سید محمد عارف ابن سید امجد خاں بہادر صدر الصدور ابن میران سید محمد صفی صاحب قران شاہجہاں آباد بادشاہ کے استاد تھے نواب امجد خاں دار الخیر اجمیر کے ناظم صوبہ تھے ایسے ہی نواب شریف حسن بہادر صوبۂ اکبر آباد اور مخدوم بندگی اسمعیل حسینی تھے ان کے عزیزوں میں معین الملک شاہ عالم بادشاہ کے

وزیر تھے جو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں تھے ان کے بزرگ شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں معزز عہدہ پر فائز رہے۔

اسی طرح سسرالی رشتہ داری مفتی اکرام الدین صدرامین دہلی سے ہے جنکے آباؤ اجداد شاہجہاں بادشاہ دہلی کے نسلاً بعد نسل مفتی چلے آرہے ہیں اس خاندان والاشان سے مجھے خویشی و دامادی کی نسبت حاصل ہے جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا خاندان ہے جن کے ذریعہ علم وحدیث نے ہندوستان میں رواج پایا اور عربی فارسی کتابیں تمام ممالک ہندوستان بلخ و بدخشاں اور عرب تک مشہور ہیں اسکے علاوہ فرخ آباد سرکار مدنے رود جلیے نواب شوکت جنگ نواب سرفراز محل میرے خاندان کے مرید وں میں ہیں چنانچہ ابھی تک میرے بھائی مولوی شریف حسن جنکے انتقال کو چار سال ہوئے اپنے آباد اجداد کی مسند پر سجادہ نشین رہے خلاصہ یہ کہ میرا حسب و نسب اور شرافت خاندانی ہندوستان میں آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے۔

ترجمہ از فارسی سنہ ۱۸۳۰ گویا قاضی شریف حسین کا آبائی سلسلہ

مشہور بزرگ صوفی شاہ محب اللہ الہ آبادی سے جڑا ہوا ہے جو شاہ ابو سعید گنگوہی (نبیرۂ شاہ عبد القدوس گنگوہی) کے خلیفہ اور سلسلہ چشتیہ کے عظیم شیخ تھے شاہ صاحب کا اصلی وطن صید پور خیر آباد تھا پھر الہ آباد کو اپنا وطن بنالیا انکا نسبی سلسلہ بابا فریدالدین شکر گنج کے واسطہ سے فاروق اعظم سے ملتا ہے دائرہ شاہ حجۃ اللہ اب تک الہ آباد میں انکے سلسلہ کا مرکز ہے میر سید کبیر قنوجی میر سید محمدی قاضی گھاسی ان کے مشہور خلیفہ تھے

(علماء ہنار کی شاندار ماضی صفحہ ۲۶۳)

علم التصوف میں وہ اپنے عہد کے امام تھے کہا گیا ہے کہ شیخ محی الدین عربی اگر شیخ اکبر ہیں تو ان کو شیخ کبیر کہا جا سکتا ہے وہ ہندوستان میں وحدۃ الوجود کے سب سے بڑے شارح ہیں ان کی کتابیں شرح فصوص غایتہ الغایات، سرح الخواص، طرق الخواص، وغیرہ اس پر شاہد ہیں یہ آفتاب معرفت ۱۰۵۸ھ میں غروب ہوا بہرحال قاضی شریف حسین ایک بلند علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے قاضی صاحب کے والد ماجد مولانا ابو القاسم کٹرہ الہ آباد میں پیدا ہوے اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد علماء وقت میں شمار کیے جانے لگے شیعہ گردی

اور شاہان سابق کی جاگیرات کی ضبطی کیوجہ سے حسب مشہور اہل خاندان پورب کو چھوڑنے لگے تو انہوں نے بھی دہلی کا رخ کیا خاندان شریفی حاذق الملک حکیم عبدالمجید صاحب ان کے ارادت مند تھے اس رشتہ عقیدت کی وجہ سے ایک عرصہ تک دہلی میں رہے پھر ریاست ٹونک میں مفتی اعظم مقرر ہوئے۔ تنخواہ کے علاوہ جاگیر منصب سے بھی سرفراز فرمائے گئے ان کے دو صاحبزادے ہوئے مولوی شریف حسن و قاضی شریف حسین۔

مولوی شریف حسن تکمیل علوم کے بعد فرخ آباد چلے گئے جہاں شاہ احسن اللہ نواب تجمل حسین خاں والی فرخ آباد کے پیرو مرشد تھے نواب صاحب کی طرف سے ماہانہ نذرانہ اور دیگر تحائف کی پیشکش کا سلسلہ رہتا تھا شاہ صاحب مولوی شریف حسن کی اہلیہ کے جد امجد تھے اسلئے دربار میں رسائی ہوئی اور خلعت و منصب سے سرفراز ہوئے شاہ صاحب کے انتقال کے بعد نواب نے مولوی صاحب کا سو روپے ماہانہ منصب مقرر کیا ۱۸۲۶ء میں انکا انتقال ہوا اور مولوی عزیز حسن و مولوی عزیز حسین یادگار چھوڑے۔

قاضی شریف حسین صاحب دہلوی

قاضی شریف حسین بمقام بلی ماران دہلی ۱۸۹۶ء میں دہیں پیدا ہوئے جبکہ ان کے والد ماجد قیام فرما تھے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن کٹرہ الہ آباد میں حاصل کی پھر ٹونک کے علماء سے استفادہ کیا جب کہ ان کے والد بحیثیت مفتی کے مقیم ہوئے ریاست سے ہر دو صاحبزادوں کو والد ماجد کی وفات کے بعد منصب ملتا رہا اس اثنار میں جب کہ قاضی صاحب کتاب زندگی کا ۲۹ واں ورق الٹ رہے تھے مولوی مفتی محمد اکرام الدین خاں نائب صدر الصدور دہلی کی منجھلی صاحبزادی اولیار بیگم سے عقد ہوا مفتی صاحب حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی ساتویں پشت میں تھے مفتی صاحب نے حسب اعزازات خاندانی جہیز اور عالی شان مکان مرحمت فرمائے یہ خاندان دنیوی وجاہت کے باوجود ہمیشہ سے اہل علم و دین کے ساتھ رشتہ قرابت قائم کرنے میں پیش پیش رہا۔

مفتی صاحب کا دہلی میں وہ اعزاز تھا کہ بڑے بڑے امراء

ور رؤسا انکے یہاں رشتہ منعقد کرنا باعث فخر سمجھتے تھے لیکن دنیوی عزت کو دیکھ کر رشتہ کبھی منظور نہیں کیا جس طرح وہ خود عالی خاندان تھے ہمیشہ بلند خاندانوں کو رشتہ کے لیے منتخب کیا شیخ عبدالحق صاحب اشعۃ اللمعات ان کے صاحبزادہ شیخ نورالحق صاحب تیسیر القاری شرح بخاری صاحب تصانیف کثیرہ اور شیخ محب اللہ صاحب منبع العلم شرح مسلم و شیخ نورالحق ثانی صاحب شرح ماثبت بالسنہ ہیں۔

(حیات عبدالحق صـــ ۲۶۵)

قاضی صاحب اور مرزا غالب

قاضی شریف حسین صاحب دہلوی کی آمدورفت مفتی اکرام الدین کے رشتہ دامادی کی وجہ سے برابر رہتی تھی یہ وہ زمانہ تھا کہ ایک طرف مغل شہنشاہیت کا چراغ جھلملا رہا تھا تو دوسری طرف اردو ادب کی شمع خوب خوب بھڑک اٹھی تھی ذوق مومن غالب جیسے تاریخ ساز شعرا اس دور کی پیداوار تھے مرزا غالب اپنے منفرد رنگ کی وجہ سے مشہور زمانہ تھے

مرزا صاحب کے تعلقات دہلی کے تمام مشاہیر علما سے استوار تھے مفتی اکرام الدین صاحب کی وابستگی سے قاضی شریف حسین کا بھی مرزا سے تعلق قائم ہوا چونکہ قاضی صاحب اپنے علمی کمالات کے ساتھ موزونیت طبع کا جوہر بھی لیکر آئے تھے اسلئے فارسی واردو اشعار مرزا صاحب کو دکھلاتے مرزا صاحب ان کے بزرگوں کے ساتھ حسن عقیدت کی بنا پر اسکو باعث سعادت سمجھتے تھے قاضی صاحب کے بھائی نواب تجمل حسین خاں کے ساتھ روحانی رابطہ رکھتے تھے اس لئے اس رشتۂ محبت کی وجہ سے انکے لئے قصیدہ لکھے جس طرح مرزا غالب نے ع بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کیلئے اپنی غزل میں اظہار عقیدت کیا ہے۔

کیا عجب ہیکہ مرزا کے نواب صاحب سے تعلق قائم کرنے میں قاضی صاحب کا ہاتھ رہا ہو بھوپال اور غالب کے مؤلف نے اندھیرے میں تیر چلائے ہیں اول تو قاضی شریف حسین کے نام کو شریف حسن لکھا پھر مرزا کے تلمیذ ہونے میں شک ظاہر کیا ہے رہا شاگردان غالب میں قاضی صاحب کے نام کا نہ ہونا اس بنا پر ہے کہ خود قاضی صاحب کیلئے شاعری کی نسبت باعث

شرف نہ تھی شاعری ان کے مرتبہ سے فروتر چیز تھی وہ ایک عالم فاضل بزرگ تھے بقول غالب۔

کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

بھوپال میں تشریف آوری

بانی ریاست بھوپال سردار دوست محمد خاں کے عہد سے لیکر نواب قدسیہ بیگم تک عہدہ قضاء و افتاء قاضی محمد معظم اور مفتی خیر اللہ رح کے خاندانوں میں چلا آرہا تھا۔

نواب جہانگیر محمد خاں ۱۲۵۳ء میں جب تخت نشین ہوئے تو نواب سکندر بیگم اور ان کے درمیان شکر رنجی نے تلخی کی صورت اختیار کی ہر دو بیگمات بھوپال چھوڑ کر اسلام نگر جانے لگیں تو قدیمی خیرخواہاں ریاست نے ان کا ساتھ دیا اس میں قاضی احمد علی اور مفتی فضل اللہ بھی تھے اب نواب صاحب کو انتظام ریاست اور اپنا اقتدار عوام میں قائم رکھنے کیلئے ایک عالم فاضل زبردست شخصیت کی ضرورت لاحق ہوئی جو قضاء کے عہدۂ جلیلہ کے شایان شان ہوں۔

چنانچہ نواب صاحب نے مولوی صاحب کو ۱۲۵۴ھ میں دہلی سے مدعو کیا اور عہدۂ قضاء کو ان کی ذات شریف سے زینت دی دور جہانگیری کے ہفت سالہ مدت میں قاضی شریف حسین رح فرائض قضاء و افتاء دونوں کے دونوں بحسن خوبی انجام دیئے۔

جب ۱۲۶۰ھ میں سکندر جہاں بیگم اپنی شوہر کے انتقال کے بعد مختار ریاست ہوئی تو قاضی صاحب کی امانت و دیانت خاندانی شرافت وذاتی وجاہت کا لحاظ رکھتے ہوئے انکو عہدۂ مذکور پر بحال رکھا بلکہ مزید اعزاز واکرام کا پانچسو روپے تنخواہ کے علاوہ حسب دستور ریاست جملہ ضروریات کا انتظام سرکار کی جانب سے ہوتا تھا نواب شاہجہاں بیگم لکھتی ہیں کہ میرے والد ماجد نے جو علم وفضل کی ہمیشہ قدر فرماتے تھے قاضی شریف حسین رح کو عہدۂ قضاء کے لئے خصوصیت سے مدعو کیا (تاج الاقبال)

چنانچہ نواب شاہجہاں بیگم کی تقریب شادی میں قاضی صاحب کو حسب دستور ریاست تین گاؤں جاگیر میں دیئے گئے نماز عیدین کی امامت خود فرماتے تھے اور سرکار عالیہ انکی قرأت و خوش الحانی کی متعرف تھی قاضی صاحب کی آمد ورفت کا سلسلہ اپنی پیدائشی

وطن دہلی میں حضرت مفتی صاحب کی وجہ سے برابر رہتا تھا۔ قاضی صاحب کی صاحبزادی حیدری بیگم فرماتی تھیں کہ ایک مرتبہ نانا ابا یعنی مفتی اکرام الدین خاں بہادر ہم سبکو لینے اکبر آباد تک آئے تھے اس وقت ابا بھوپال سے رخصت لیکر عزیزوں سے ملنے دہلی آرہے تھے چنانچہ خود مفتی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ قاضی شریف حسین میرے داماد کہ ریاست بھوپال میں قاضی القضاۃ کے خدمت جلیلہ پر سرفراز ہیں انکو لینے میں اکبر آباد تک گیا تھا صاحبزادی فرماتی تھیں کہ بھوپال سے دہلی تک کا سفر اس زمانہ میں سخت دشوار و جانگداز ہوتا تھا مگر ہمارے ساتھ راستہ میں کافی تعداد ملازمین اور مسلح سپاہیوں کی ہوتی تھی گھر کی پالکی رتھیں شکرم سامان لادنے کے جھگڑے ان سب کی حفاظت کے لئے ہتھیار بند سوار جو ہمارے ملازم تنخواہ دار ہوتے تھے۔

قاضی صاحب دہلی کے قیام کے زمانہ میں باہر تشریف لیجاتے سولہ کہار ذاتی ملازم تھے جب تک وہاں ان کا قیام رہتا اعزاد واقارب میں دعوتوں کا تانتا بندھا رہتا۔

انکی بزرگی کا سکہ ہر جگہ چلتا تھا دہلی میں اخولاجی دختیرہ

معزز خاندانوں کی نکاح خوانی فرمانے حقیقت یہی تھی کہ قاضی صاحب کیا بلحاظ علم و فضل اور کیا باعتبار دنیوی اعزاز ہر طرح قابل عزت انسان تھے اور مفتی صاحب اپنے تمام داما دوں میں انکو عزیز رکھتے تھے۔

شعر و شاعری

جیسے کہ پہلے لکھا گیا قاضی صاحب فارسی شعر گوئی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور بلند پایہ شاعر تھے اردو میں بھی صاحب دیوان تھے مولانا سیف الحق ادیب دہلوی میں اس دیوان کا اکثر مطالعہ فرمانے کے بعد تعریفی نوٹ تحریر کئے تھے۔ یہ دیوان ۵۷ء کے حادثہ کے نذر ہو گیا احمد شاہ کو قاضی صاحب کا ایک اردو شعر زبانی یاد تھا جو اکثر سنایا کرتے۔

منزلت دختر رز کو وہ خدا نے دی ہے
نکلے شیشے سے جو باہر تو ملے دل میں جگہ

مولوی محمد عالم شاہ فریدی جنکے پاس قاضی صاحب کا فتاوی شریفیہ اور مجموعہ اوقات فارسی موجود ہے جو سرکار عالیہ و دیگر امرا ر سلطنت کے نام مختلف سرکاری و مذہبی معاملات

۸۲۸

کے بارے میں تحریر ہوئے فارسی شاعری کا ایک قطعہ سنایا کرتے تھے۔

بجہاں گیری افکار تو نازم کہ شریف

ہندوی مولد تاج سر ایران شعری

نواب جہانگیر محمد خاں دولہ شاعری میں اپکے شاگرد تھے اور نواب شاہجہاں بیگم شیریں بھی اپنا کلام قاضی صاحب کو بنظر اصلاح دکھاتی تھیں۔

قاضی صاحب عہد جہانگیری میں قضا و افتا، دونوں کے فرائض انجام دیتے رہے البتہ عہد سکندری میں جب مولانا عبدالقیوم صاحب مفتی ہوئے تو پھر فرائض قضا، آپکے ذمہ رہے قاضی صاحب عمر میں بڑے تھے اسلئے مولانا مرحوم انکی عزت کرتے اور قاضی صاحب مولانا کی خاندانی فضیلتوں کی بنا پر انکا لحاظ رکھتے کسی مسئلہ میں اگر باہمی اختلاف ہوتا تو قاضی صاحب مولانا کی خدمت میں تشریف لاتے اور بالمشافہہ گفتگو کرتے اور اور فیصلہ ہوجاتا مولانا کا مزاج گرم تھا گفتگو میں تیزی آجاتی تو قاضی صاحب کہتے میاں، عبدالقیوم جو تم نے پڑھا ہے وہی

ہم نے پڑھا ہے مگر مسئلہ یونہی ہے غرضکہ اس طرح کی صلح آمیز باتوں سے اختلاف دور ہو جاتا۔

دھلی کی طرف مراجعت

نواب سکندر جہاں بیگم کو قاضی صاحب پر مذہبی و ملی مسائل کے ساتھ ملکی و ریاستی معاملات میں بھی مکمل اعتماد تھا جب فرنگی سامراج کے خلاف ۵۷ء میں انکی چیرہ دستیوں کی حد برداشت سے آگے بڑھ جانے کی بنا پر احساس بیزاری پیدا ہوا اور ہندوستانی فوجوں نے بغاوت کی تو سکندر جہاں بیگم نے جو نہایت مدبرہ و دور اندیش حکمراں تھیں حالات کا جائزہ لیتے اور بھوپال ریاست کو اس تحریک آزادی میں شامل کرنے کے لئے ایک قابل معتمد ہستی کی ضرورت محسوس ہوئی جن کے صحیح و مناسب مشورہ کے بعد ریاست کی کشتی کو بغاوت کے اس طوفان میں ڈال دیا جائے قاضی صاحب کے سوا کوئی ایسی محرم راز شخصیت نہ تھی چنانچہ قاضی ایک خفیہ مشن پر ۱۲۷۳ھ میں دہلی بھیجے گئے یہ ایسا سربستہ خفیہ راز ہے جسکی پردہ کشائی توفیق

ایک صدی کے بعد راقم الحروف کے حصہ میں آرہی ہے ریاست بھوپال

کا تذکرہ تاریخ ہند میں برطانیہ کے وفاداروں کی صف میں آتا

ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دیگر ریاستوں کی طرح

ریاست نے اس بغاوت میں کھل کر حصہ نہیں لیا نواب سکندر جہاں بیگم

کے سینہ میں بھی ہندوستان کا دل دھڑک رہا تھا اور وہ بھی اس

ہنگامہ میں باہر آنا چاہتی تھیں لیکن انکی زندگی کے نشیب و فراز نے اس

قدر عبرت اندوزی کے سبق دیئے تھے کہ جذبات کی رو میں بہہ جانا

ان کی شان تدبر کے خلاف تھا۔ اسلئے قاضی صاحب کو تحقیق حال کیلئے

روانہ فرمایا یہ ساری تفصیل قاضی صاحب کے سوانح کے بین السطور ہے

انکو ایک سیاسی کام کی غرض سے دہلی روانہ فرمایا۔ یس یہاں

۵۷ء کے واقعات انکی صاحبزادی جنکی عمر ۲۰ ر ۲۲ سال کی تھی وہ

بیان فرماتی تھیں کہ جب انگریزی فوجوں نے بیرون کشمیری دروازہ

پاڑے پر مورچہ بندی کی اور شہر دہلی پر باقاعدہ گولہ باری شروع

ہوئی تو مفتی صاحب کا خاندان سب لوگوں کی طرح شہر خالی کرکے

اتیرا منوب سرائے اور بعد ازاں چراغ دہلی جاکر فروکش ہوا

ہمارے زیورات اور کل سامان لٹ گیا مگر کسی شخص کا بال بیکا نہ ہوا

حادثہ انتقال

چراغ دہلی کے قیام میں قاضی صاحب کی طبیعت بگڑنے لگی اور سلسلہ علالت بڑھتا گیا آخر ۱۹۵۷ء ۱۲۷۳ھ میں اس عظیم شخصیت نے سبکو داغ مفارقت دیا قصبہ مہرولی قطب صاحب اندرونی احاطہ حضرت عبدالحق محدث دہلوی واقع شمسی تالاب قاضی صاحب کو سپرد خاک کیا گیا ان کے نام کا کتبہ قبر پر نصب ہے ان کے بائیں جانب اہلیہ بیگم جن کا انتقال سنہ ۱۳۰۹ھ ۱۸۹۲ء میں ہوا دفن ہیں۔

حلیہ ولباس قاضی صاحب خوب سیرت وخوب صورت وخوش وضع میانہ قد انسان تھے خدوخال نازک اور بدن چھریرا تھا اور لباس علماء کی طرح زیب تن فرماتے تھے سر پہ عمامہ جسم پر اچکن وچوغہ پہنتے تھے گفتگو میں متانت اور اعلیٰ قابلیت کا گہرا اثر ہوتا تھا خوش الحان تھے۔

قاضی صاحب کی اولاد

قاضی صاحب کی صرف ایک صاحبزادی حیدری بیگم تھیں جو مفتی اکرام الدین صاحب کی نواسی تھیں مفتی صاحب کی شخصیت اپنے

وقت کے علماء میں مسلم تھی ان کی ولادت ۱۱۹۰ھ میں ہوئی اپنے والد نظام الدین اور شیخ محمد کاظم دہلوی شیخ محمد فائق وغیرہ سے تعلیم کی تکمیل فرمائی وہ جامع علم وعمل تھے ان کی تصنیفات میں سل الصمصام علی من قال ان المنزامیر لیست بحرام اور سعادۃ الکونین فی فضائل الحسنین وغیرہ ہیں۔ نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۴۷

حیدری بیگم کی شادی مولوی عزیز حسن صاحب نے اپنے بھتیجے سے کی قاضی صاحب کے بڑے بھائی کے صاحبزادے مولوی عزیز حسین کی شادی فاطمہ بیگم ہمشیرہ نواب صدیق الحسن خاں سے ہوئی تھی جنکا انتقال ۱۲۸۵ھ بھوپال میں ہوا ان سے امتہ اللہ بیگم پیدا ہوئیں امتہ اللہ بیگم کا عقد محمد عمر قلعہ دار ابن شیخ خیر الدین انصاری مدار المہام صاحب کے نواسے سے ہوئی ان ہی امتہ اللہ بیگم کے دولت کدہ پر حیدری بیگم دختر قاضی عنایت حسین اور مجید الحسن واقعات نگار بمقام بھوپال قیام پذیر ہوئے تھے اور شاہجہاں بیگم سے ۱۳۱۴ھ میں شرف باریابی حاصل ہوا بیگم صاحبہ نے صاحبزادی صاحبہ کا منصب حین حیات مقرر کیا امتہ اللہ بیگم کے شوہر محمد عمر قلعہ دار کے فرزند دلبند محمد توفیق

محمد رفیق و محمد شفیق اپنے موروثی مقام میں ابتک مقیم ہیں۔

علماء یمن اور بھوپال

اسلام کا آفتاب عالمتاب اگرچہ فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور اس کی زرتار شعاعیں حوالی مکہ پر پہلے پہل پڑیں لیکن اس کی مقبولیت و محبوبیت کی جانفزا روشنیاں مدینہ مبارکہ اور یمن میمون کی آبادی میں پھیلی اسلام نے اپنی قبولیت عام اور بقاء دوام کے لئے ان سرزمینوں کو منتخب فرمایا امام المشارق والمغارب حضرت علی ابن ابی طالب داعی اول کی حیثیت سے اس مبارک سرزمین میں تشریف فرما ہوئے پھر حضرت معاذ و حضرت ابوموسی اشعری نے یمن کی سرزمین کو اسلام کا مرکز بنایا یمن میمون کی فضیلت کے لئے یہ ارشاد کافی ہے۔

جاء اهل الیمن هم ارق افئدة قال صلی اللہ علیہ وسلم الایمان یمان والفقه یمان والحکمۃ یمانیہ

اہل یمن جب آئے تو وہ بہت نرم دل تھے حضور ص نے فرمایا کہ ایمان یمن کا ہے

اور فقہ یمن میں ہے اور حکمت دانائی یمنی ہے ۔ رواہ مسلم

اسلام کی اولیں دعوت پر اہل یمن کا لبیک کہنا اور اسلام کی ابتدائی دور میں ان کا جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونا ایک ایسا شرف ہے کہ بجز اہل مدینہ کے کوئی انکا ہمسر نہیں حب کائنات کی سب سے بڑی قیمتی دولت "ایمان" کی خریداری اہل یمن کے حصہ میں آئی تو کمال دانائی و دانشوری انکو بخشی گئی راقم الحروف جب کہ ۱۹۵۲ء میں پہلی بار زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوا تو یمنی حجاج کی بے داغ دیانت داری وسادگی اور صاف وشفاف عربیت سے بے حد متاثر ہوا قرآن و سنت کی روح مبارکہ ہر دور میں جاری وساری رہی جسکے خوشنما آثار آج تک نمایاں ہیں دیار یمن کے پھیلے ہوئے طویل وعریض ساحل اقلیم ہند کے بالکل مقابل و محاذی ہیں اس لئے یمن و ہند کے تعلقات بہت قدیم ہیں خطۂ گجرات کو عرصہ تک اس لئے یمن ثانی کہا جاتا رہا کہ یمن کے بے شمار محدث وعالم سورت وغیرہ کی بندرگاہوں سے گجرات میں تشریف فرما ہوئے مشہور محدث ربیع بن عامر تابعی نے (جو حدیث کے سب سے پہلے مصنف ہیں)

اس خطہ کو اپنے شرف قدوم سے منور کیا اور یہیں اس کے ایک گوشہ میں آسودۂ خاک ہیں۔

بھوپال کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس کو یمن میمون کے ارباب علم وفضل کی سرپرستی کا شرف حاصل ہوا۔

شیخ قاضی زین العابدین یمنی

نواب سکندر جہاں بیگم کا عہد بھوپال کی علمی تاریخ کا شاندار و زرنگار عہد ہے سند المتکلمین مولانا حیدر علی فیض آبادی شاگرد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی زبدۃ العارفین شاہ رؤف احمد صاحب مجددی شاگرد شاہ صاحب و خلیفہ شاہ غلام علی اور شیخ المحدثین شاہ عبدالقیوم صاحب وغیرہ کی علمی و عملی کمالات سے یہ خشک و چٹیل خطہ علوم و فنون کا سرسبز و شاداب علاقہ بن گیا۔

مدارالمہام منشی جمال الدین کے قرآنی ذوق و شوق نے اس خطہ میں روح ایمانی کو بیدار کیا اور شاہ عبدالقیوم کی وجہ سے ولی اللہی علوم کا فیض عام جاری ہوا اس لئے ہنارد سندھ و

بلخ وبخارا کے طلبہ قرآن وسنت جوق در جوق اس شہر کا رخ کررہے تھے اور ہند اور بیرون ہند بھوپال کی شہرت کا دائرہ بلند ہورہا تھا لیکن آفتاب شہرت کو نصف النہار تک پہونچانے اور بھوپال کو علم وحدیث کا مرکز بنانے میں یمن میمون کے انصاری خزرجی خاندان کا زبردست حصہ ہے قدرت نے اس آخری دور میں یمن کے ایک علمی خاندان کی ذریعہ ریاست کے سر پہ ایک پر فخر وتابدار تاج رکھدیا کہ محدث خاندان دیار عرب کو چھوڑ کر یہاں فروکش ہوگیا۔

اور علم وحدیث کی سند عالی سے یہاں کی زمین جہالت کو آسمان رسالت تک پہونچا کر انتہا درجہ بلند کردیا ولی اللٰہی خاندان کے بعد سرزمین ہند میں پہلا خاندان ہے جس نے شہر بھوپال کو ایک مرکز حدیث بنایا ناواقف لوگ علم وحدیث کے مرکز بنانے کا سہرا نواب صدیق الحسن خاں کے سر پر باندھتے ہیں لیکن واقعہ کی تصویر کا ایک پہلو ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ نواب صاحب نے اپنے اقتدار میں اپنے وسائل حکومت کو علم وحدیث کی نشر واشاعت میں لگادیا جس کی وجہ سے تصنیفی

ہر خدمت انکی طرف منسوب ہوئی لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ
علم وحدیث کی خدمت کا سلسلہ نواب صاحب سے پہلے
یہاں قائم ہو چکا تھا بلکہ نواب صاحب کی خدمت حدیث کا بانی
مبانی یہی خاندان تھا۔ قاضی شیخ زین العابدین اسی خاندان کے
چشم وچراغ تھے جن کا نسبی سلسلہ حضرت قیس بن سعد
خزرجی سے ملتا ہے یہ دونوں باپ بیٹے شرف صحابیت
سے مشرف تھے یہ دادھیالی خاندان تھا اور نانیہالی رشتہ
اور تعلیمی وتربیتی سلسلہ سادات بنی اہدل سے ملتا ہے جو اپنی بزرگی
وعبادت گذاری خداشناسی میں دیار یمن کے اندر مشہور ومعروف
خاندان تھا شیخ محمد محبی نے خلاصۃ العصر فی اعیان القرآن حادی
عشر میں تحریر کیا ہے کہ اہدل کے معنٰی جیسا کہ بعض عارفین
نے بتایا ہے کہ اقرب کے ہے یقال اہدل العصن اذا ادنی
وقرب دلان ثمرۃ یعنی جب شاخ پھلوں سے لدکر زمین کی طرف
جھکتی ہے تو اہدل العصن کہتے ہیں۔

تو اہدل کے مورث اعلیٰ کی تواضع وفروتنی اور عبادت الٰہی
کے جھکاؤ کی وجہ سے جو کمال معرفت کی نشانی تھا انکو اہدس

کتب خانہ ایم-پی اردو اکادمی بھوپال
1228

لقب سے ملقب کیا گیا چنانچہ بعض نے کہا کہ اہدل کا لقب اس لئے دیا گیا تھا کہ وہ خدا کی طرف جھک پڑے تھے صاحب جواہر نفیسہ نے یہ تحقیق فرمائی ہے کہ اصل میں یہ لفظ دلی علی الالہٰ کا مخفف ہے کثرت استعمال ونسبت کی وجہ سے عبشمی (عبد شمس) عبدری (عبدالرحمن) کی طرح تخفیف کر دیا گیا کتاب نفحۃ المندل نے جو بنو اہدل کے ایک فاضل کی تصنیف ہے یہ تحقیق نقل کی ہے کہ شیخ کا لقب اہدل اس لئے ہو گیا کہ بچپن میں وہ ایک کتابچہ یعنی کاپی بیری کے درخت سے لٹکا کر اس کی ٹہنیوں کو پکڑے ہوئے مصروف مطالعہ رہتے تھے تاکہ دھوپ کی تپش سے خود کو بچائے۔

سادات بنو اہدل میں بہت سے افراد علم وفضل و بزرگی میں شہرۂ آفاق ہوئے ان میں سید یحییٰ بن عمر مقبول اہدل اس خاندان میں فرد فرید تھے علم وحدیث میں حافظ عصر اور محقق کامل تھے مشہور حافظ حدیث ابو بکر بن علی وقاضی احمد جامعمان شیخ عبداللہ مزجاجی ان کے اساتذہ تھے ان کے استاد بے شمار ہیں شیخ طٰہٰ سید ہاشم بن حسین سید اسحاق وغیرہ بلبشتر علماء

حرمین نے ان سے اجازت حدیث حاصل کی آپ کا سلسلۂ فیض
علامہ احمد بن محمد مقبول اہدل اور شیخ حکمی سے جاری ہوا ۱۱۴۷ھ
میں وفات پائی (التاج المکلل ص ۳۳۵) ان کے صاحبزادہ
سلیمان بن یحییٰ نے اپنے والد و مشائخ یمن و مصر و شام
و حرمین سے استفادہ کیا جن میں حافظ محمد حیات سندھی و
حافظ محمد ابن طیب مغربی علامہ عبدالخالق مرجاجی شامل ہیں پھر ان
کے صاحبزادہ سید عبدالرحمن بن سلیمان بن یحییٰ نے بہت زیادہ
شہرہ حاصل کی ۱۱۷۹ھ میں پیدا ہوئے امام فقیہ محدث جامع العلوم
اور اپنے زمانہ کے بے نظیر عالم تھے کتاب نفس یمانی اور الروح
الریحانی فی اجازة القضاة بنی الشوکانی کے مصنف ہیں خود
ان کے مناقب میں علامہ سعد بن عبداللہ نے کتاب فتح الرحمٰن
لکھی ہے ان کے کمالات میں سے یہ ہے کہ ایک طرف ان کے مشائخ
سے سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی شاگرد شاہ ولی اللہ دہلوی اور
شیخ محمد حیات سندھی استاد شیخ محمد فاخر الہ آبادی و علامہ
غلام علی آزاد بلگرامی ہیں تو دوسری طرف قاضی القضاة محمد بن علی شوکانی
سے سلسلہ سند ملتا ہے اسی کے ساتھ نسبت باطنی اور ولایت خاصہ

کے حامل تھے نفس یمانی عجیب وغریب کتاب ہے جس میں اپنے بے شمار مشائخ واساتذہ اور سیاحت علمی کے حیرت انگیز واقعات درج کیے ہیں اپنے مشائخ میں علامہ مغیث الدین ہندی ملتانی اور بابا یوسف ہروی کا بھی ذکر فرمایا ہے جنکی عمر ۳۰۰ سو سال تھی المنہج السوی کشف الغطاعن اسئلۃ ابن عطار فتح اللطیف وتلقیح الافہام وغیرہ بے شمار تصانیف انکی جلالت علمی ونسبت باطنی پر گواہ ہیں ۲۲ رمضان ۱۱۷۵ھ میں وفات پائی (التاج المکلل ص ۳۳۷ تا ۳۴۰)

ان قضاۃ میں سید احمد بن محمد شریف مقبول اہدل عالم راسخ عابد وزاہد تھے ہمیشہ درس وتدریس میں رہتے تفسیر وحدیث کے ذوق سے سرشار تھے۔ (التاج ص ۳۴۷)

ایسے ہی سید ابوبکر بن یحیٰی بن عمر اہدل علامہ مہامر یکتائے زمانہ اور چراغ اسلام تھے علامہ سید احمد بن محمد شریف اور شیخ فہامہ عبدالخالق ان کے مشائخ میں تھے۔

سید عبدالرحمٰن آپکے شاگردوں میں تھے علوم عقلیہ ونقلیہ کو اپنے وقت کے باکمال علماء سے حاصل کیا تھا سید ابوبکر کو بہترین

خوش الحان قاری بھی تھے جنکی خوش آوازی سے فضا گونج اٹھتی تھی

(التاج ص ۳۴۵)

غرض قاضی زین العابدین جن کے والد ماجد قاضی محسن حدیدہ کے قاضی تھے جو انصاری خزرجی تھے قاضی صاحب نے سادات بنی اہدل کے یہاں علمی نشو ونما اور علمی تربیت حاصل کی اس وقت سلطان الاولیاء محمد بن عبد الباری اہدل اس خاندان کے بزرگوں میں مسند طریقت پر متمکن تھے۔

نجد و یمن حجاز بلکہ تمام عرب کے دور دراز علاقوں سے لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے ان کے بھائی علامہ حسن بن عبد الباری الاہدل درس وتدریس کی مسند کو زینت دے رہے تھے ایسے ہی علامہ سید سلیمان بن محمد ابن عبد الرحمن شہر زبید میں علم و تقوی کا بازار گرم کر رہے تھے۔

(تنویر العین ص ۲۱)

قاضی صاحب نے اپنے وطن مالوف بندرگاہ حدیدہ میں تعلیم حاصل کی اور پھر علم کے سرچشموں سے فیضیاب ہوئے اور فراغت کے بعد علمی کاموں میں لگ گئے جب سنہ ۱۲۷۳ھ میں منشی جمال الدین مدار المہام سکندر جہاں بیگم کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوئے تو بندرگاہ حدیدہ

میں اترے وہاں کے علماء و صلحاء سے ملاقات کی مدار المہام کا قیام حسن اتفاق سے جس مکان میں ہوا اس سے لگا ہوا مکان قاضی القضاۃ محمد بن محسن الانصاری کا تھا۔

مدار المہام دار القضاء حاضر ہوئے باہمی تعارف ہوا اس تعارف نے باہمی تعلق و خلوص کا رشتہ قائم کیا اور ان کی علمی مجالس کی شرکت نے اس رشتہ کو مستحکم کر دیا قاضی محمد شیخ حسین اور شیخ زین العابدین وغیرہ جب اجتماع ہوتا اور مسجد رحمت میں علمی مذاکرہ کی محفل منعقد ہوتی تو عجیب و غریب مفید علمی نکات و لطائف سے یہ مجلس پر نور ہوتی خصوصا حدیث و تفسیر کی محققانہ بحثوں سے نئی نئی حقیقتوں کا انکشاف ہوتا۔ مدار المہام پابندی سے ان علمی مجالس میں شریک ہو کر مستفید ہوئے اور بیگم صاحبہ سے تذکرہ فرماتے یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ مدار المہام خاص طور سے علماء کی تلاش میں یہاں ٹھہرے تھے۔

جب وہاں سے یہ قافلہ حجاز کے لئے روانہ ہونے لگا تو بیگم صاحبہ نے استدعا کی کہ یا تو خود قاضی محمد صاحب انکو شرف صحبت سے مستفید فرمائیں یا اپنے بھائی کو ہمراہ فرمادیں قاضی صاحب نے معذرت کی البتہ اپنے بھائی شیخ زین العابدین کو والدہ ماجدہ کی اجازت

سے بیگم صاحبہ کے ہمرکاب کر دیا حج سے فراغت کے بعد جب واپسی میں بندرگاہ حدیدہ پہونچنا ہوا تو شیخ زین العابدین کو ان کی علمی قابلیت کی وجہ سے بھوپال کے لئے دعوت دی بہت سعی وکوشش سے ان کی والدہ صاحبہ کو رضامند کیا انکو ہمراہ لیکر اعزاز و اکرام سے بھوپال آتارا اور نائب قاضی کا عہدہ تفویض فرمایا اس وقت شیخ زین العابدین کی عمر ۲۲ سال کی تھی ۔ (تنویر العینن ص ۸-۹)

پھر جب قاضی شریف حسین صاحب کا انتقال ہوا تو قضا کی ذمہ داری ان کی سپرد کی گئی ۔ اور عزت و مکرمت کا معاملہ کیا جاتا رہا ۔

قاضی صاحب امیر کبیر اور صاحب جائداد ہو گئے حضرت شیخ حسین عرب جو آپکے بھائی تھے یمن بھر میں فن حدیث میں یکتا و یگانہ تھے اور قاضی زین العابدین ادب عربی کے زبردست ماہر اور اپنے زمانہ کے بڑے لغوی تھے۔ (الاعتصام)

نکاح و شادی

مولوی خیر الدین مرحوم کی دوسری بیوی سے دو لڑکے تھے ایک

ضیاء الدین اور ایک صاحبزادی ان کا نکاح شیخ زین العابدین سے کر دیا گیا قاضی صاحب کو فی الحال قائم مقام قاضی کیا گیا اور قاضی ایوب صاحب کو انکا نائب مقرر کیا گیا یک صد روپیہ ماہانہ ایک چوبدار ایک دفتر کشا ایک محرر منشی قادر الدین ہوئے قاضی صاحب نہایت ذکی الطبع قوی الحافظہ بے حد ذہین اور حدیث و فقہ شافعی کے ماہر تھے نواب صدیق الحسن رح نے قاضی صاحب سے حدیث کا درس لینا شروع کیا اور قاضی صاحب ان سے اردو و فارسی پڑھنے لگے تھوڑے ہی دنوں میں اردو فارسی لکھنے پر قدرت حاصل کر لی معاملات کی مثلوں پر تجویزیں حسب قواعد شرعیہ لکھنے لگے یہاں تک کہ جو لوگ مقدمہ فہمی کے علم تھے وہ بھی ان کے مداح بن گئے اپنی خوش تحریری خوش خلقی اور ظرافت پسندی سے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا نواب صاحب اور قاضی صاحب میں باہمی رابطۂ اتحاد رہا جب ۱۲۸۷ھ میں میر دبیر ہوئے تو اس رابطہ اتحاد میں مزید ترقی ہوئی وہ ان سے اپنے معاملات میں رائے بھی لیتے تھے ۱۲۸۸ھ میں نواب صاحب کا نکاح سرکار شاہجہان بیگم سے ہو گیا چنانچہ یہ نکاح قاضی صاحب نے ہی پڑھایا اور جاگیر میں نکاح خوانی کا گاؤں ان کو دیا گیا۔

قدسیہ بیگم کو جب اس نکاح کی اطلاع ملی تو انھوں نے قاضی صاحب کو طلب کیا نماز عشاء کے بعد وہ پیش ہوئے انہوں نے سورہ محمد و سورہ فتح، کی تلاوت کی پھر سب کو الگ کر کے قاضی صاحب سے گفتگو کی اس پر اظہار خفگی فرمایا کہ اپنے بزرگوں سے پوچھے بغیر نکاح کیوں کیا اس کے شرعی مسئلہ پر بحث ہوئی قاضی صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹیوں کی دو دو نکاح کی تمثیل دی جس پر فرمایا کہ پیغمبر کے فعل کی ہم سے کہاں پوری پیروی ہوسکتی ہے ہم گنہگار ہیں اس وقت وہ نہایت برہم تھیں بالآخر کہا اگر نکاح کرنا تھا تو کنبہ میں کرتی کہا گیا کہ نواب صاحب مولوی عالم اور سید ہیں پھر بھی وہ یہی کہتی رہی کہ کنبہ میں ہوتا یہ مولوی تو ان کا نوکر ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر مشورہ شامل ہوجاتا تو غالباً وہ راضی ہوجاتی۔ (حیات قدسی ص ۱۵۵)

غرض اب قاضی صاحب کی ہر جگہ طوطی بولنے لگی اور نواب صاحب سے ربط و ضبط بے حد بڑھ گیا دن کو بھی آتے تھے اور ڈیڑھ پہر رات تک باہمی صحبت رہتی دینا و دینوی ہر طرح کی باتیں ہوتیں شعر و شاعری ہوتی ظرافت و خوش طبعی ہوتی۔

نواب صاحب قاضی صاحب سے کہتے تو قاضی جی فارسی شعر کا ترجمہ عربی نظم میں کر دو۔

لیکن خبر دار ایک شعر کا ترجمہ ایک شعر ہی میں ہو قاضی صاحب فکر کر رہے ہیں پر لطف مذاق ہو رہا ہے علمی ادبی محفل قائم ہے

ادبی لطائف

ایک رات کا ذکر ہے کہ قاضی صاحب سے فرمائش ہوئی کہ اس فارسی شعر کو عربی نظم کا لباس پہنائیے۔

در دل خانہ چشم تو مرداں ہستند
کہ می زنند ببیت الحرام تا فانہ را

قاضی صاحب نے گھر سے ترجمہ کر کے بھیجا

دفی بیت عین منک حلت اناسی
یجو نادن فی بیت الحرام القوافل

ایک رات اس شعر کے ترجمہ کی فرمائش ہوئی۔

سرمہ گویا کرد چشم یار را — شب بفریاد آورد بیمار را
انطق الکحل عین ودتنا — فی اللیالی بصوت راضیا

انطق الکحل عین حبیبتنا ان لیل العنا لمصباحُ

ایک رات فرمائش ہوئی

نتواں عمر بدہ با چشم تو کردن عادی
بتواضع گذرانند ز خود مستاں را،،

وکیف یکن حوب لعینک الشہلا وبالتواضع لاکن یلامع النشو

ایک صاحب نے قاضی کو رقعہ لکھا کہ

جناب قاضی صاحب مخدوم بندہ دام مجدکم

بعد سلام مسنون

بخدمت شریف آنکہ تقریظ ملا سعد الدین حسب حکم جناب نواب صاحب بخدمت شریف برسد بخدمت عرب صاحب پیش فرمایند کہ اصلاح فرمودہ بخدمت جناب صاحب واپس فرمایند،،

قاضی صاحب جواب میں لکھتے ہیں تقریظ سعد الدین بوہرا واپس بی رسد بسیار دراز و طویل فصاحت و لطافت آں قلیل طبعش ضرورت مختصر باید نمود و الا قائلش مرد مشہور صاحب علم و وقار نیست کہ مدح ایشاں قابل افتخار باشد۔

(فقط زین العابدین)

اخلاق و عادات

قاضی صاحب نہایت سادہ طبع اور عرب کی سادہ مزاجی کے حامل تھے منشی حکیم الدین مہتمم عدالت سے ان کی بہت دوستی تھی اکثر آمد و رفت رہتی بارہا عرض کیا گیا کہ قاضی ایسا شخص نہیں کہ نتیسول کے گھر مارا مارا پھرے عہدہ قضا ایک معزز عہدہ ہے ضرورت ہو اگرے تو ان کو بلایا کیجئے آپ کا خود جانا وہاں پر مناسب نہیں رئیس وقت کے پاس بھی اگر سخت ضرورت ہو تو جائے قاضی شریف حسین صاحب نے منصب قضا کو نہایت اعزاز سے رکھا قاضی صاحب اپنی سادگی کو نہ چھوڑ سکے اور یہی سادہ مزاجی آگے چل کر ان کے لئے مصیبت کا باعث ہوئی۔

انھوں نے اپنے قدیم دوستی اور دیرینہ روابط پر اعتماد کرتے ہوئے نواب صاحب کے کاموں میں دخل دینا شروع کیا اور سابقہ تعلقات کے بل بوتے پر بعض اوقات کام لینا چاہا نواب صاحب اب مسند اقتدار پر تھے ان کو یہ مداخلت بیجا ناپسند ہوئی انجام کار بعض امور ایسے پیش آئے کہ عہدہ قضاء سے علیحدہ کر دیئے گئے تنخواہ صدر روپیہ بند اور گاؤں بحال رہا

عہدۂ قضا سے الگ ہونیکے بعد نابینا بھی ہوگئے تھے اور مرض دمہ میں مبتلا رہتے تھے یہی ان کے لئے مرض الموت ثابت ہوا آخر سنہ ۱۲۹۷ھ بروز جمعہ ان کا انتقال ہوا قلندر شاہ کے تکیہ میں قاضی بشیر الدین مرحوم کے پہلو میں دفن ہوئے جب ان کا انتقال ہوا تو نواب صاحب قبرستان تک جنازہ کی مشایعت کی اور دفن تک حاضر رہے بہت افسوس ظاہر کیا اور کہا کہ کیا خوب ہوتا کہ نابینائی کے عذر سے موقوف کئے جاتے ان کی موقوفی میں جلدی ہوگئی مگر کیا کیا جائے کہ مقدر یونہی ہو چکا تھا ابتدا سے میری انکی دوستی رہی میرا ان کے برابر کوئی دوست نہ تھا مگر بعض امور نے ایسا مضطر کیا کہ جس کی وجہ سے جو ہونا تھا وہ ہوگیا ان کا گاؤں ان کی اولاد پر تقسیم کر دیا گیا مولانا ذوالفقار صاحب نے کہا کہ شیخ حسین صاحب میرے اور آپکے استاد ہیں اپنے بھائی کی قضا کے مستحق ہیں فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر شیخ صاحب کو اردو نہیں آتی مقدمات کے سمجھنے میں دقت واقع ہوگی اسلئے مصلحت نہیں البتہ ان کا یہ اعزاز رہا کہ تاج محل میں جو نکاح ہوتے شیخ صاحب ہی پڑھاتے قاضی صاحب عربی کے بڑے

اچھے ناظم و ناشر ماہر فقہ و نحو اور لغت و انشاء کے متبحر اور حدیث میں کامل تھے شرح مناسک مجموعہ فتاوی احمدی رسائل ان کے مصنفہ ہیں۔ (نزہتہ الخواطر ص ۱۹۱ ج ۷)

قاضی زین العابدین مرحوم کے دو لڑکے شیخ یحیٰی اور شیخ ابوبکر تھے جو انتقال کر گئے شیخ ابوبکر کے لڑکے محمد عمر وکیل ہوئے جو ابھی انتقال کر گئے البتہ صاحبزادی کا نکاح اپنے بھتیجے شیخ محمد ابن شیخ حسین عرب سے ہوا جن سے شیخ خلیل عرب ہوئے جو ادب عربی کے امام تھے ان کے والد شیخ محمد عرب ندوۃ العلماء کے پہلے استاد ادب ہیں جن سے اس درسگاہ میں عربیت و ادبیت کو فروغ ہوا شیخ خلیل عرب مولانا ابوالحسن علی کے استاد ادب ہیں محلہ سبزی منڈی میں باب قاضی زین العابدین ان کی بلند و رفیع یادگار ہے خوش قسمتی سے ہم کو ایک فتوی قاضی صاحب کا حاصل ہوا جس کو ہم تبرکاً نقل کرتے ہیں۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین و فقہاء شرع متین اس صورت میں کہ ایک شخص نے صحرا میں نماز عید و استسقاد کے واسطے عیدگاہ بنا کر اس کو چہار طرف سے محصور کر دیا

اور اس میں محراب و منبر بنا دئے پس اس کا حکم دوسری مساجد کا ہے کہ اس میں کسی کو تصرف تملک کا حق نہیں پہونچتا ہے یا آنکہ حکم صحرا رکھتی ہے بینوا توجروا -

الجواب واللہ الملہم للصواب

مسجد مذکور کے یا اوصاف جو صلوٰۃ عیدین و استسقاء کیلئے مقرر ہوئی حکم دوسری مساجد شل تعظیم و احترام و عدم جواز وطی و بول و براز اور عدم جواز تصرف تملک بنا بر قول اصح رکھتی ہے تین وجہ سے اول یہ کہ امام تاج الشریعہ نے عیدگاہ کو مساجد کی طرح قرار دیکر احکام مساجد اسکے لئے ثابت کئے ہیں چنانچہ طحطاوی و شامی میں مذکور ہے اور یہ قول اصح و مختار اکثر فقہاء کا ہے چنانچہ صاحب محیط نے اسکو اختیار کیا ہے

وفی المحیط تکلموا فی مصلی العید وعند بعضھم لا یاخذ حکم المسجد والاصح انہ یاخذ حکم المسجد لانہ اعد لاقامۃ الصلوٰۃ بالجماعۃ العظمی -

اور یہی مختار امام کرمانی کا ہے

فی جامع الرموز و ذکر الکرمانی ان مصلی العید فی حکم المسجد علی الاصح و لذالک خرج عن ملک بانیہ -

اور اسی طرح دیگر معتبرات میں اس قول کو اصح اقوال ٹھہرایا ہے۔

دوسرے یہ کہ بحر الرائق و حواشی در مختار میں لکھا ہے کہ مسجد عیدگاہ میں وطی و بول و براز کرنا جائز نہیں کیونکہ اس کے بنانے والے نے اس واسطے نہیں بنایا۔

تیسرے یہ کہ جو زمین مالک کیطرف سے نماز کے واسطے مقرر ہوئے اور اس میں اس کی اجازت اور اذن عام سے نماز پڑھی جائے وہ زمین اسکی ملک سے نکل کر وقف اور مسجد بن جاتی ہے جیسا کہ قاضیخاں و عالمگیریہ و بحر الرائق وغیرہ میں مذکور ہے۔

رجل لہ ساحۃ لا بناء فیہا امر قومہ ان یصلوا فیہا بجماعۃ بان قال صلوا فیہا ابدا او امرہم بالصلوٰۃ مطلقا و نوی الابد ففی ہذین الوجہین صارت الساحۃ مسجدا انتہیٰ۔

پس اس کے بموجب زمین عیدگاہ جس میں نماز جماعت بکرات و مرات اجازت و اذن عام اس کے مالک سے ہوئی وہ مسجد اور وقف ہوگئی چنانچہ کلام سابق علامہ کرمانی میں دو لذالک خرج عن ملک بانیہ اور کلام سابق محیط میں لانہ اعد لاقامۃ الصلوٰۃ فیہ بالجماعۃ العظیمۃ اسی کا موید اور اسی پر ناظر ہے اور ذخیرہ وغیرہ میں ہے و بالصلوٰۃ

الجماعتہ یقع التسلیم بلاخلاف حتیٰ انہ اذا بنی مسجدا واذن للناس بالصلوٰۃ فیہ جماعتہ فانہ یصیر مسجدا۔ بلکہ کنز الدقائق وملتقی و نہایہ اور دیگر متون و شروح میں لکھا ہے کہ ایک شخص کے نماز پڑھنے سے تسلیم حاصل ہو کر وہ جگہ مسجد ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم!

المجیب	العبد المنیب
احقر العالمین	زین العابدین عفی اللہ عنہ
المجیب مصیب	الجواب صحیح
حررہ حاجی غلام رسول عفی عنہ	محمد جان عفی عنہ
قد اصاب من اجاب	حو رالمحرر تحقیقاً بارک اللہ لہ
سید محمد عفی عنہ	سید عبد اللہ عفا اللہ عنہ

—

قاضی محمد بشیر الدین صاحب قنوجی

قاضی بشیر الدین شیخ عثمانی ہیں ان کا آبائی وطن ایک موضع پالی ساندی ضلع خیر آباد اور مادری وطن قنوج تھا۔

ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کر کے علوم عقلیہ کی تکمیل رامپور جا کر کی پھر علم حدیث کی تکمیل کے لئے مرکز العلوم دہلی کا سفر کیا جب دہلی میں آپ وارد ہوئے تو حضرت شاہ اسحٰق دہلوی ہجرت کر چکے تھے مولانا نذیر حسین سورت گڈھی معروف میاں صاحب شیخ الآفاق کے آخری شاگردوں میں تھے جنہوں نے دہلی میں سلفیت کا چراغ روشن کیا اور اہل بدعت کے خلاف اس مسلک کو جاری کیا مولانا بشیر احمد صاحب نے میاں صاحب سے تکمیل حدیث کی اور اس مسلک کے خصوصی داعی بنکر نکلے مولانا سلامت اللہ جے راجپوری مولانا عبداللہ غازی پوری بھی اس دور کے رفقا میں سے تھے۔

(حیات شبلی صہ ۶۴)

بعد فراغت انہوں نے ریاست ٹونک کا رخ کیا چونکہ نواب